باغی صدر
سوانح حیات
بابو سبھاش چندر بوس
مصنفہ
دُرلبھ سنگھ

باغی صدر

یعنی

سوانح حیات

بابو سبھاش چندر بوس

مصنفہ

دُرلبھ سنگھ

اور مقدمہ

قلم

سردار سردول سنگھ صاحب کویشر

صدر آل انڈیا فارورڈ بلاک

انتساب

محبّ الوطنوں کے سرتاج کی یہ سوانح حیات دنیا کے تمام اُن مجاہدین کے نام پیش کی جاتی ہے۔ جنہوں نے مادہ پرستی کے اس دور میں اپنے اور اپنے خاندان کے مستقبل وطن کی بہتری پر نچھاور کر دیئے۔

ورما پبلشنگ کمپنی ۱۲ میکلوڈ روڈ

پوسٹ بکس نمبر 249 لاہور

دیباچہ

دنیا کے غلام ممالک میں عوام کی تعدی پر جب بھی کوئی جوانمرد میدان عمل میں نکلا۔ کمزور کی حمایت پر جس نے بھی اپنا قدم اٹھایا۔ فلک کی آواز پر جب بھی کسی جانباز نے آزادی کا علم بلند کیا ہمیشہ پُرخار وادیوں میں اس کا گزر رہا۔ موت کے سائے تلے اس نے زندگی کی منزلیں طے کیں اور فنا اور بربادی کے ہاتھوں اُسے حیاتِ جاوداں نظر آئی۔

ترکی کی نیم مردہ لاش کو زندہ کرنے کے لئے اگر غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے قدم اٹھایا۔ تو شہنشاہیت نے اس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے کی کوشش کی۔ لیکن اگر عوام کی صدا پر لبیک کہکر میدانِ عمل میں نکلا، تو زار شاہی اس کی ہڈیوں کا سُرمہ بنا دینے پر تلی رہی۔ مہارانا پرتاپ نے اگر آزادیٔ وطن کا دعویٰ کیا تو دنیا نے دیکھا کہ اُسے جنگلوں کی خاک کو چھاننا پڑا۔ اسی طرح سبھاش بابو نے اگر ملک کے افلاس کو دور کرنا چاہا۔ تو ہندیان جیل کی کوٹھڑیوں نے اس کا استقبال کیا۔

آئرلینڈ کے لوگ گرڈی ویلرا جیسے بہادر لیڈر پر ناز کر سکتے ہیں۔ ترکی کو اگر یہ فخر ہے۔ کہ اس سرزمین کی رہنمائی ایک ایسے جانباز نے کی جس نے حقیقی معنوں میں مرد بیمار یورپ کو پھر سے زندہ کر دیا۔ تو بھارت ورش کے لوگوں کو اس بنگالی نوجوان کی رہنمائی پر بجا طور پر فخر ہو سکتا ہے۔ جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ وطن کی بہتری پر وقف رہا۔ آپ کی سی جرأت۔ جذبۂ قربانی۔ دُور اندیشی اور موقعہ شناسی شاید ہی ہندوستان کے کسی دوسرے لیڈر میں موجود ہو۔ وطن کے نوجوانوں کو پنڈت جواہر لال کی ذات گرامی سے آپ کے تدبر۔ اور آپ کی گرمجوشی پر بڑی اُمیدیں تھیں۔ لیکن تری پوری کے واقعات نے اچھی طرح روشن کر دیا ہے۔ کہ باوجود اتنی گرمجوشی کے کسی عظیم الشان ہستی کے ذاتی رسوخ تلے آپ ملک کی خواہشات کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ آپ نے ہمیشہ جمہوریت پرست ہونے کا دعوےٰ کیا۔ لیکن بھارت ورش کے لوگوں نے نہایت مایوسی سے دیکھا کہ کس طرح تری پوری کانگریس کے موقعہ پر نیک نیتی۔ حب الوطنی اور جمہوریت کو نہایت بے رحمی سے کچلا جاتا دیکھ کر آپ خاموش تماشائی کی طرح بیٹھے رہے۔ ملک کے ایک جانباز جرنیل کے مستقبل سے کھیلا جا رہا تھا۔ لیکن آپ نے قطعی خاموشی اختیار کئے رکھی۔

آپ اچھی طرح سے اُن تمام سازشوں سے واقف تھے جو صدر منتخب کو ذلیل کرنے کی غرض سے کی جا رہی تھیں۔ آپ اس راز کی تہ میں بخوبی پہنچ چکے تھے۔ پھر آپ نے کیوں مین اُسی وقت راجکوٹ میں مرن برت دھارن کیا۔ جبکہ کانگریس کا اجلاس تری پوری میں ہونے والا تھا۔ آپ کی آنکھوں نے کلبارت ...

ورشس کے جائز طور پر منتخب نمائندہ کو بستر مرگ پر موت سے مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا آپ اس موقعہ پر بذات خود موجود تھے۔ جبکہ جبلپور کے سول سرجن اور بمبئی کے ڈاکٹر گلڈر نے صاحب صدر کا معائنہ کرنے کے بعد کھلے لفظوں میں یہ کہہ دیا تھا کہ کوئی بھی کام خواہ دماغی ہو یا جسمانی سبھاش بابو کو یکایک ختم کر سکتا ہے لیکن یہ کوئی پوشیدہ راز نہیں۔ بلکہ ایک عام حقیقت ہے۔ کہ ایسے خطرناک حالات میں بھی پنڈت جی نے راج کوٹ میں بیٹھے مہاتما کو ناراض کرنا گوارا نہ کیا۔ اور وطن کے نوجوان جرنیل کو قطعی طور پر موت کے رحم پر چھوڑ دیا۔

اس میں شک نہیں کہ وارد ھا کے جادوگر سردار پٹیل اور اس کے دوستوں کے لئے نئی سلطنت پیدا کر دینے میں کامیاب رہے۔ لیکن میرا یقین ہے۔ کہ وہ وقت دور نہیں جبکہ زندگی اور موت سے کھیلنے والا یہ مرد مجاہد دوبارہ نمودار ہوگا۔ اور اس طلسم کو۔۔ میدان توڑ کر ملک کے نوجوانوں کی رہنمائی کرتا ہوا آزادئ وطن تک پہنچائے گا۔ ملک کی سیاسی زندگی سے آپ کا یکایک غائب ہو جانا ہر ہندوستانی نوجوان کو پریشان کر رہا ہے۔

لوگوں نے طرح طرح کی کہانیاں آپ کے متعلق سن رکھی تھیں۔ لیکن کوئی تصنیف ایسی بازار میں موجود نہ تھی۔ جس سے آپ کی زندگی کے مکمل حالات سے واقفیت حاصل ہو سکے۔ لہٰذا انتہا محبت اور شردھا کے ساتھ قربانی کے اس مجسمہ کی سوانح حیات اہل ملک کے سامنے رکھتے ہوئے اُمید کرتا ہوں۔ کہ یہ کتاب اُن دلوں میں بھی سبھاش بابو کے لئے عقیدت اور محبت پیدا کئے بغیر نہ رہ سکے گی۔ جو آج تک مہاتما جی اور آپ کے اصول کی اندھا دھند تقلید

میں سبھاش چندر بوس کی قربانی کو جگہ دینے کو تیار نہ تھے ۔

سردار سردل سنگھ صاحب کوِیشر کے شکریہ کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ جنہوں نے میری انگریزی تصنیف کو شرف قبولیت بخشا ۔ اور ایسے حالات پیدا کر دیے کہ انگریزی کتاب کے چھپنے کے صرف بیس یوم بعد اس کا اردو ترجمہ اہل ملک کے سامنے پیش کیا جائے ۔ ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ اصل تصنیف کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ دلچسپ واقعات اور سنسنی خیز انکشافات کا بھی اضافہ کیا جائے ۔ امید کی جاتی ہے کہ حسب اونوں کے اسی مزاج کی یہ سوانح حیات آپ کی پسندیدگی کا موجب بن کر رہے گی

آخر میں آپ کا شکریہ ۔

۱۹ مارچ [illegible]

۶ لوئر مال لاہور

دربب سنگھ

تعارف

شری یت سبھاش چندر بوس تمام ایسے اوصاف اپنے اندر رکھتے ہیں کہ انہیں انڈین ڈی ولیرا کہا جا سکے۔ آپ کے اندر وہی مستقل مزاجی۔ جذبۂ بے چینی۔ قربانی اور وطن پرستی موجود ہے۔ جو کہ اس عظیم الشان آئرش لیڈر کے بہترین خواص میں سے ہیں۔ سبھاش بابو کو ایسی جرأت اور اخلاق کی راستبازی اور دیانتداری بھی ہے۔ جس پر کہ بہت کم ہندوستانی لیڈر حق رکھ سکتے ہیں۔ آپ بے حد مدبر اور دور اندیش ہیں۔ جس بات پر بھی آپ کا دل جم جائے۔ اس کے لئے آپ بے حد کام کر سکتے ہیں۔ اور جوش پیدا کر سکتے ہیں۔ آپ کی قوت تنظیم تو تقریباً بے مثال ہے۔ اصول پرستی کے باوجود بھی عملی باتوں کو نظر انداز نہیں کرتے اتنی خوبیوں اور نیکیوں سے ہم شدہ آپ کی کامیابی اس جگہ بھی یقینی ہے جہاں دوسرے کئی ناکام ہو جاتے ہیں۔

ملک کی موجودہ سیاسی بیداری کی ذمہ داری مہاتما جی اور ان کے لفٹننٹوں کی اس جدوجہد اور عبادت پر ہے۔ جو انہوں نے ہندوستان کی آزادی کے لئے کی۔ جب کبھی ہندوستان آزاد ہوگا۔ یہ اسی بیداری کی وجہ سے ہوگا۔ جو مہاتما جی اور اُن کے پیرو کاروں نے عوام الناس کے اندر پیدا کی۔ لیکن اب قریباً ہر طرف یہ تسلیم ہو چکا ہے۔ کہ مہاتما جی کی تحریک اس مرحلہ پر پہنچ چکی ہے۔ جہاں تنزل اور تفریق کا اصول رائج ہو جاتا ہے۔

(Where law of diminishing returns been operative)

جو نصب العین اور ذرائع آپ نے ملک کے سامنے رکھے ہیں وہ اپنی مطلب براری ختم کر چکے ہیں۔ ہندوستانی اپنے آپ کو اب اس سے زیادہ پرے جانے کے قابل نہیں سمجھتے۔ جہاں کہ وہ پہنچ چکے ہیں۔ گاندھی جی اس نازک وقت پر ناکام رہے ہیں۔ کیونکہ ہندوستانی آپ کے پرچار اور عمل کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں۔ ہندوستان کو اب ایسا لیڈر چاہیئے۔ جو عوام کے جذبات اور خواہشات کے بالکل ساتھ ساتھ چل سکے۔ ان کو ایسے لیڈر کی ضرورت ہے۔ جو کہ ان کی کمزوریوں اور ناکامیوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کر سکے اور تسلی دلا سکے اور ان کے سامنے ایسا رد عمل پیش کر سکے جو کہ ان کی طبیعت اور قابلیت کے عین موافق ہو۔ نوجوان ہندوستان محسوس کرتا ہے کہ سبھاش بابو واقعی ایسے لیڈر ہیں۔

در لب سنگھ کی کتاب میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح سبھاش بابو جوانی کے ایام سے ہی واحد ہندوستان کی آزادی کے لئے کام کر رہے ہیں۔ آپ کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کس طرح آپ نے ان کو عبور کیا۔ اور کس طرح آپ نے ایسے وقت پر ملک کے سامنے صاف اور سیدھا راستہ رکھا۔ جب کہ دوسرے لیڈر نیم دلی اور انتشار حواس کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ یہ سب کچھ ان چند صفحات میں صاف طور پر دکھایا گیا ہے۔

سبھاش بابو کی یکایک اور پُر اسرار گم گشتگی نے نہ صرف اہل ہندوستان کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی ہے۔ بلکہ یورپ اور امریکہ کی توجہ بھی آپ کے

اصولوں اور آپ کے طریقۂ کار کی طرف کھنچ گئی ہے۔ یہ سوانح حیات اس طرح ملک کی سیاسی اور حالاتی (Biographical) لٹریچر میں بالکل بروقت اضافہ ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ سبھاش بابو کا نقطۂ نگاہ کیا تھا۔ اور کس چیز کے لئے آپ جدوجہد کرتے رہے۔ یہ کتاب ہمیں یہ بتاتی ہے کہ سبھاش بابو جیسا انسان زیادہ دیر تک دبا نہیں رہ سکتا۔ مجھے امید ہے کہ جب بابو جی دوبارہ نمودار ہوں گے۔ تو وہ انسانیت کے دوست اور دبے ہوئے اور غربا کے آزاد کرانے والے کی حیثیت میں ظاہر ہوں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ ادب کی کتاب ایک ایسے بہادر کی سوانح حیات کی صاف پہچان کرواتی ہے۔

لاہور

۲۵ فروری ۱۹۴۱ء

سردول سنگھ کویشر

باب اوّل

ہندوستان میں سیاسی بیداری

جس طرح سونے کی اصلیت اور اس کا صحیح نرخ کوئلوں کی بھٹی سے نکل کر معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح قوموں کی عظمت اور اخلاق کی بلندی یا پستی مصیبتوں سے نکل آنے کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ کسی بھی ملک کو اپنی عظمت کی بحالی اور اپنی شاندار روایتوں کو برقرار رکھنے کے لئے نہ صرف انتہائی قربانی کی ضرورت ہے بلکہ سیاسی آزادی۔ اقتصادی بہتری اور مجلسی ترقی بھی اس کے بالکل لازمی جزو ہیں۔ جن کی عدم موجودگی میں کئی بار قومیں مٹ جایا کرتی ہیں۔

اس کرۂ زمین میں ہندوستان ہی شاید ایک ایسا ملک ہوگا جو ہر سہ اوصاف کی غیر موجودگی میں نیز دو صد برس کی مسلسل غلامی میں رہ کر بھی اپنی اخلاقی بلندی کے معیار کو برقرار رکھ سکا ہے۔ حکومتِ مغلیہ کے زوال کے نیز ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت سے لیکر آج تک اگر اس غلام دیش کی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک موقعہ بھی ایسا ہندوستان کے ہاتھ نہیں آیا۔ جبکہ اُسے اپنے قومی معاملات خود فیصلہ کرنے کا موقعہ ملا ہو۔ اپنے قوانین خود رائج کرنے کی اجازت ملی ہو یا اپنے خزانہ کو خود استعمال کرنے کی آزادی ملی ہو۔ ۳۵ کروڑ غلاموں کا یہ ملک اتنے لمبے عرصہ سے زمانے کی کسوٹی پر چڑھا ہوا ہے

بلکہ ان کی تاریخ اٹھائیے۔ تحریکوں کے آغاز و اختتام پر نظر ڈالیے۔ ایسے ناموافق حالات میں کئی ممالک میں ایسی نظائر ملیں گی کہ اس ملک کے لوگوں نے سیاسی یا اقتصادی تاریکیوں میں گھبرا کر اپنے اخلاق کو فروخت کر دیا ہو۔ یا اس ملک کے لیڈروں نے اپنے ذاتی اغراض کے لئے قومی غیرت اور آبرو کا سودا کر دیا ہو۔ لیکن اس بدنصیب مشرق کا سر فخر سے بلند ہی رہے گا کہ اتنے لمبے سیاسی۔ اقتصادی اور معاشرتی بدبختی کے حیین کے بعد بھی اپنے تمدن۔ تہذیب اور اخلاق کو ایک انچ بھی نیچے گرنے نہیں دیا۔ کئی بار قوم کو مصیبتوں کے پہاڑ سے سامنا کرنا پڑا۔ کئی بار اہل ہند کو ایسی الجھن میں ڈالا گیا کہ اپنی عظمت کو خیرباد کہدیں۔ . . . . . .

. . . . لیکن ایک موقع بھی تاریخ کے اندر ایسا نہ آسکا جبکہ دو صدیوں کی اس غلام قوم نے اپنے اخلاقی معیار کو نیچے ہونے دیا ہو۔

بلکہ ان مصیبتوں کے درمیان بھی کئی ایسے پودے ہندوستان میں اُگے جنہوں نے تمام دنیا کو اپنے لذیذ پھل سے مستفید کیا۔ ان شعلوں کے وسط میں بھی آبحیات کے کئی چشمے ایسے نکلے۔ جنہوں نے یورپ کے مہذب ممالک کو زندگی کا پیغام سنایا۔ . . . . اس عجیب و غریب دور میں بھی کئی فرزند ایسے پیدا ہوئے۔ جنہوں نے آزاد دنیا کی رہنمائی کی۔

انیسویں صدی کے آخیر میں ہندوستان میں موجودہ دور کے بڑے آدمی پیدا ہونے شروع ہوئے۔ وہ لوگ جنہوں نے عوام الناس کی نبض کو پہچانا۔ اُن کی ضروریات کو سمجھا۔ ان کی تکلیفات کو محسوس کیا اور اپنی زندگیوں کو ان کی اصلاح

اور بہتری پر وقف کیا۔ طرح طرح کی اصلاحی مجلسی اور سیاسی تحریکوں کا آغاز کیا اور خوابِ غفلت میں مدہوش ہموطنوں کو اُن کے فرض سے آگاہ کیا۔ اس اصلاحی دور میں جہاں اس دیرینہ غلامی میں جکڑی ہوئی قوم نے آربند و گھوش۔ ٹیگور اور ولیم یادھاکرشنن ایسے عجیب الدماغ فلاسفر اور شاعر پیدا کرکے دنیا کے سامنے ایک مثال پیدا کر دی۔ دیش بندھو سی۔ آر داس۔ ہردیال اور جگدیش چندر بوس ایسے ذہین۔ قانون دان اور صاحبِ دماغ سائنسدان پیدا کرکے غلاموں کے پاؤں تلے روندی ہوئی خاک کو چار چاند لگادیئے وہاں ایسے مہاتما اور سیاستدان بھی دنیا کے سامنے پیش کیے۔ جن کی نیک نیتی اور سیاسی معاملہ فہمی بہت مدت تک آزاد ملکوں کے لیے باعثِ تقلید ثابت ہوتی رہے گی۔

باوجود اصولی اور بنیادی اختلاف کے کم از کم اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ ہندوستان کی موجودہ سیاسی بیداری کا سہرا ان ہی لوگوں کے سر رہے۔ جنھوں نے مادہ پرستی کے اس دور میں اپنے اور اپنے خاندان کے مستقبل وطن کی بہتری پر نچھاور کر دیے۔ ان لوگوں کے اسم ہائے گرامی اور کارہائے نمایاں درج کرنے کے لئے تو دفتروں کے دفتر ختم ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ کہ بھارت ورش کے لوگوں نے کبھی تو کاٹھیاواڑ کے ایک بنئے کے گھر ایسے مہاتما کو دیکھا جس نے اپنی زندگی میں اخلاق اور دیانتداری کا سب سے اونچا معیار حاصل کیا۔ کبھی آنند بھون الہ آباد کی فضاؤں میں کبھی سیاسی ستارے کو چمکتے ہوئے دیکھا جس نے سیاست کی منڈی میں آزاد دنیا کی رہنمائی کی اور کبھی صوبہ سرحد کے کسی گمنام گوشہ میں ایک پروانۂ حریت کو

دیکھا جس نے خواب آزادی کی مرجوں میں اپنے ہی بھائیوں کے خون کی ندیاں دیکھیں۔ یہاں پر ہی ختم نہیں ہوتا اس بے سروسامان قوم نے اڑیسہ کے دارالخلافہ کٹک میں ایک مرد مجاہد کو پیدا کیا جس نے بنگال کی گلیوں میں پرورش پاکر آزادیٔ وطن کی خاطر امارت کے مزے ٹھکرا دئے اور انڈیمان جیل کی کوٹھڑیوں کو اپنا گھر بنایا۔

بنگال کی گلیوں میں پرورش پانے والا یہی شاندار انسان جسے سبھاش چندر بوس کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جسے ہندوستان کی سیاسی تواریخ میں کانگرس کے باغی صدر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس جوانمرد کی سوانح حیات کارہائے نمایاں اور باغیانہ حرکات مندرجہ ذیل صفحات میں درج کی جائیں گی اور کھلے طور پر دکھایا جائے گا کہ کس طرح اصولی اختلاف پر اگر ایک وقت سبھاش بابو دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کے خلاف بغاوت کر دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو دوسرے وقت پر اپنے اصولوں کا احترام کرتے ہوئے اپنے عزیزوں اور ساتھیوں سے بغاوت کرنے سے بھی نہیں رکتے۔

اس سے پہلے کہ کانگرس کے باغی صدر کے حالات زندگی قلمبند کئے جائیں یہ موزوں ہوگا کہ اس جماعت کی پچپن سالہ تاریخ کو مختصر طور پر بیان کیا جائے کہ کس طرح اس کا وجود ایک نیم سرکاری جماعت کی شکل میں ہوا۔ اور کن کن لوگوں کی عدیم المثال قربانیوں کی وجہ سے یہ جماعت ایک عوام کا ادارہ بن گئی ہے

انڈین نیشنل کانگریس ہندوستان کی سب سے پرانی سیاسی جماعت ہے۔ یہ جماعت ہندوستان کے کسی خاص فرقے کسی خاص مذہب یا کسی خاص دلچسپی کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ ہندوستان کے قومی مفاد کی نمائندہ ہونے کا اسے شرف حاصل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ متعدد جماعتیں اور بھی ہندوستان میں پیدا ہو گئی ہیں۔ جن کی ہر وقت یہی کوشش رہتی ہے کہ کانگریس کا یہ دعوے نمائندگی ٹوٹ سکے لیکن اس کی پچپن سالہ جدوجہد اور لاانتہا قربانیاں جو اس نے بلا لحاظ مذہب و ملت ملک کے عوام کی خاطر کیں ان کی موجودگی میں انگریز کو بھی آج یہ جرأت نہیں کہ اس کی نمایندہ حیثیت سے انکار کر سکے۔

اس جماعت کا وجود عجیب حالات میں آیا۔ یعنی ایک انگریز بزرگ نے اس جماعت کو لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند کی منظوری کے ساتھ منظم کیا۔ گو یہ جماعت ۱۸۸۵ء میں مسٹر اے۔ او۔ ہیوم کی کوششوں سے معرض وجود میں آئی لیکن اس وجود کی بنا اسی وقت سے ہی پیدا ہونی شروع ہو گئی تھی۔ جب سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے تجارتی اغراض کو نظر انداز کر کے ہندوستان پر حکومت کرنے کے خواب لینے شروع کر دئے تھے۔

راجہ رام موہن رائے کو بھی ایک طرح سے اس تحریک کا بانی کہا جا سکتا ہے۔ جن کی کوششوں سے ۱۸۳۵ء میں انگریزی تعلیم ہندوستان میں رائج ہوئی۔ یعنی کانگریس کے جنم سے بھی پچاس سال پہلے اس تحریک کی ابتدائی زندگی کا آغاز ہوا۔ در حقیقت انگریزی تعلیم کے بانیوں نے تو ہندوستان میں اس غرض سے انگریزی تعلیم چلائی تھی کہ کمپنی کی دفتری حکومت کے لئے کلرک مہیا

کئے جا سکیں۔ لیکن اس تعلیم نے ساتھ ہی ساتھ ایسی بیداری سی پیدا کر دی کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اپنے ملک کی سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی ذلالت پر رنج ہونا شروع ہو گیا۔ ان کے اندر یہ احساس پیدا ہونے لگے کہ ملک کے دستورِ اساسی میں اُن کا بہت حصہ ہونا چاہیئے۔ جس سے انہیں محروم رکھا جاتا تھا۔ گو کمپنی نے یکے بعد دیگرے کئی چارٹر پاس کئے جن کی رُو سے ہندوستانیوں کو ہر عہدہ کا مستحق بنا دیا۔ لیکن عملی طور پر ایک ذمہ دار عہدہ یا بڑی آسامی کبھی بھی ہندوستانیوں کو نہ مل سکی۔ ان حالات نے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں جذبۂ خود داری پیدا کر دیا اور وہ غیر قوم کی تعلیم کو حقارت سے دیکھنے شروع ہو گئے۔

اس کے بعد لارڈ ڈلہوزی کے عہد میں چلائے گئے مسئلہ الحاق نے نہ صرف ہندوستانی نوابوں اور مہاراجوں میں اپنے خلاف جذبۂ ناراضگی پیدا کر لیا تھا۔ بلکہ شہنشاہانِ مغلیہ کے جانشین شاہ عالم اور مرہٹہ پیشوا نانا فرنویس کو جو کافی عرصے سے ہندوستان کے کھوئے ہوئے تاج کو دوبارہ واپس لانے کی سازشیں کر رہے تھے موقعہ دیا کہ وہ عوام کو بغاوت پر آمادہ کر دیں۔

اس میں شک نہیں کہ ۱۸۵۷ء کے غدر یا بغاوت کو مایوس کن ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس کے بعد حکمرانوں کا نشۂ فرعونیت بھی کچھ کم ہو گیا۔ کمپنی حکومت کا خاتمہ کر کے گورنمنٹ آف انڈیا براہِ راست برطانوی پارلیمنٹ کے قبضہ میں چلی گئی۔ اور ایک اعلان کیا گیا۔ جس سے بہت حد تک ہندوستانی عوام مطمئن ہو گئے اور انگریز کے متعلق بڑھتی ہوئی بداعتمادی کافی حد تک دور ہو گئی۔

بدامنی وغیرہ کا خاتمہ تو ہو گیا۔ لیکن برطانوی حکومت میں ابھی تک کافی نقائص
ایسے موجود تھے جو کسی وقت بھی عوام کو بھڑکا سکتے تھے۔ چنانچہ مسٹر ہیوم نے نہایت
موقع شناسی سے کام لیا اور نہ صرف ہندوستانیوں سے اظہارِ ہمدردی کیا۔ بلکہ
حکومت کو بھی اندر ہی اندر بڑھتی ہوئی سیاسی بے چینی وانتشار سے آگاہ کر
کے تاجِ برطانیہ کی قابلِ قدر خدمت کی آپ کو اس چیز کا احتمال تھا کہ انفرادی جرائم
ڈاکہ زنی۔ اور قتل و جدل وغیرہ کہیں قومی بغاوت کی شکل اختیار نہ کر جائیں
چنانچہ آپ نے نہ صرف کلکتہ یونیورسٹی کے طلباء سے امداد کے لئے اپیل کی۔ بلکہ
گورنر جنرل لارڈ ڈفرن سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ سیاسی بے چینی اور عوام
کے حقوق کے تحفظ کے خیال سے ایک جماعت کا ہونا لازمی ہے۔ جو ہندوستانی
عوام کی ترجمانی کرتی رہے اور حکومت تک اپنے مطالبات رکھ سکے۔

چنانچہ اس انگریز بزرگ کی کوششوں سے آل انڈیا کانگرس کا پہلا اجلاس
۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء کو زیرِ صدارت مسٹر ڈبلیو۔ جی بنرجی بمبئی میں منعقد ہوا۔
ابتداء میں کانگرس ایک نیم سرکاری جماعت سمجھی جاتی تھی۔ ہندوستان
کے چند گنے چنے مدبر سال میں ایک دفعہ اکٹھے ہوتے تھے۔ چند ضروری
ریزولیوشن پاس کر کے سال بھر خاموش رہتے تھے۔ درحقیقت اس جماعت کا
واحد مدعا جو آج آزادیٔ وطن کے لئے ایک زبردست جدوجہد میں مشغول ہے
چند ایک اصلاحات سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ ان اصلاحات کا بھی سیاسیات میں
بہت کم دخل تھا۔ عام طور پر سوشل معاملات تک ہی ان کی جدوجہد محدود
رہتی تھی۔ جوں جوں ان لوگوں کو اپنی قوت کا احساس ہوتا گیا۔ کانگرس ایک

مضبوط اور عوام کی جماعت بنتی گئی۔
اس جماعت کی پرورش کا فخر دادا بھائی نارو جی ایسے بزرگوں کے حق میں آتا ہے۔ گو اپنے وقت میں یہ بزرگ آزادی کے سب سے بڑے علمبردار تصور کئے جاتے تھے۔ تاہم ان کی سرگرمیاں ریزولیوشن پاس کر لینے تک ہی محدود تھیں اس میں شک نہیں کہ دادا بھائی نارو جی نے اپنے صدارتی ایڈریس ۱۹۰۷ء میں ہندوستان کے لئے خود مختار حکومت کو اپنا نقطہ نگاہ بنایا تھا لیکن درحقیقت کانگریس کے مطالبات چند ایک تکلیفات کے رفع کرنے یا حکومت کے نظم و نسق میں تھوڑا سا حصہ حاصل کرنے سے زیادہ نہ تھے۔

(۲)

اس وقت تک کانگریس کی آئینی شکل و شباہت میں نہ کچھ تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ نہ ہی اس کی پالیسی میں کوئی نمایاں فرق پڑا تھا۔ اسوقت تک محض الفاظ کے ہیر پھیر کا ہی سوال تھا۔ لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں کانگرس نے مسلسل کئی دفعہ حکومت کے ساتھ ٹکر لی۔
سب سے پہلے تقسیم بنگال کیوجہ سے ہندوستانیوں میں جذبۂ ناراضگی پیدا ہو گیا تھا۔ ایک عظیم الشان ایجی ٹیشن شروع کیگئی۔ حکومت نے موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے تقسیم کا خیال چھوڑ دیا۔ لیکن اس تحریک سے ہندوستانیوں کے دلوں میں اپنی قوت کا احساس بڑھ گیا۔ چنانچہ انتہا پسندوں نے کانگرس میں داخل ہونا شروع کر دیا۔ ان لوگوں کی آمد پر اور خاصکر مسز اینی بیسنٹ کی ہوم رول لیگ اور لوکمانیہ بال گنگا دھر تلک کی آمد سے تو بہت سے اعتدال پسند کانگرس سے

باہر آگئے۔ آتے بھی کیوں نہ جبکہ مہاراشٹر کے اس عظیم الشان لیڈر نے نہایت دلیری کے ساتھ اعلان کر دیا تھا۔ کہ "سوراج میرا پیدائشی حق ہے"۔ اعتدال پسندوں کے لئے تو ایسی حالت میں کوئی جگہ ہی باقی نہ رہی تھی جو کہ برطانوی پارلیمنٹ پر کامل اعتماد رکھتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں کی آمد سے کانگرس ایک نئے دور میں داخل ہوتی ہے۔

لوکمانیہ تلک کو بلاشبہ کانگرس کا سب سے پہلا انتہا پسند لیڈر کہا جا سکتا ہے آپ ہمیشہ اعتدال پسندوں کی حرکات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور انتہا پسندوں کی جرات اور دلیری کی تعریف کیا کرتے تھے کہا جاتا ہے کہ وہ تشدد کی حد تک پہنچ جانے پر بھی گریز نہ کرتے تھے آپ کی تحریریں اور تقریریں بنگالیوں پر بے انتہا اثر کرتی تھیں۔ آپ سنہ ۱۸۹۶ء سے ہی کانگرس کے رویہ کو زیادہ سخت کرنا چاہتے تھے اس کے برعکس آپ کے مخالف یہ نہ چاہتے تھے کہ کانگرس اپنی موجودہ پالیسی سے دور جائے۔ اس کا نتیجہ سنہ ۱۹۰۷ء میں سورت کانگرس کے موقعہ پر ملک نے دیکھا کانگرس کے اندر عظیم اختلاف پیدا ہو گئے۔ اور حالات بہت ہی ناخوشگوار صورت اختیار کر گئے۔ آپ کو جو سزا سنہ ۱۹۰۸ء میں ہوئی وہ بھی آپ کی گرمجوشی کی وجہ سے ہی تھی۔ بنگال میں دو انگریز عورتوں کے بم سے قتل پر اپنے اخبار میں تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے بنگالی نوجوانوں کی دلیری کی تعریف کی تھی چنانچہ آپ پر حکومت نے مقدمہ چلایا اور ۶ سال کے لئے جلاوطن کرتے ہوئے مسٹر جسٹس ڈاور نے اپنے فیصلہ میں صاف لفظوں میں لکھا تھا کہ آپ کے مضامین نہ صرف جذبات کو انگیخت کرنے والے تھے بلکہ آپ نے ہندوستان میں بموں کے

آپ نے پر خوشی کا اظہار کیا۔ گویا کہ ہندوستان کی بہتری کے لئے کوئی نئی چیز لائی گئی تھی۔ آپ اسقدر انتہا پسند اور دلیر تھے کہ آپ نے جج کے ان ریمارکس کا نہایت شاندار جواب دیا۔ آپ نے کہا۔ " باوجود جیوری کے فیصلہ کے میں اپنے معصوم اور بیگناہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ عام طاقتوں کے سوا دنیا میں ایک سب سے بڑی طاقت بھی موجود ہے۔ جو انتہائی سمتوں پر حکومت کرتی ہے۔ شاید قادرِ مطلق کی مرضی ہو کہ جس کا زندگی نمایندگی کر رہا ہوں۔ آزاد رہنے کی بجائے سزا یابی سے اور بھی زیادہ کامیاب ہو۔"

یہ تمام حالات اور لوکمانیہ تلک کی زندگی کے چند واقعات بیان کرنے کا مدعا یہ ہے کہ اسقدر انتہا پسند لیڈر شپ کے باوجود بھی کانگرس کو طفلانہ عمر میں سمجھا جاتا تھا۔ جبتک کہ مہاتما گاندھی کانگرس میں داخل نہ ہوئے۔

(۳)

رولٹ بل پاس ہونے سے گاندھی جی کی شہرت کا آفتاب چمکنا شروع ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی دوسرے باب میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ جنگ عظیم سے پہلے کئے گئے وعدوں پر حکومت پابند نہ رہ سکی اور اسکے برعکس قومی بیداری کو روکنے کے لئے ان بلوں کو رائج کر دیا۔ مہاتما جی نے ان بلوں کے خلاف باقاعدہ ایجی ٹیشن شروع کرنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ نے اعلان کیا کہ ۳۰ مارچ کے دن تمام ملک میں ہڑتال کی جائے۔ برت رکھے جائیں، اور احتجاجی جلسے منعقد کئے جائیں۔ بعد میں یہ تاریخ ملتوی کر کے چھ اپریل مقرر کر دی گئی۔ دہلی میں اس تاریخ کے ملتوی ہونے کی اطلاع بروقت نہ پہنچ سکی۔ چنانچہ وہاں پر ہڑتال کی گئی۔ اور جلوس نکالا گیا

سوامی شردھانند جلوس کی رہنمائی کر رہے تھے۔ حکومت نے منتشر کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں گولی چلادی گئی۔ اسی طرح احمد آباد اور پنجاب میں کئی جارحانہ واقعات پیش آئے۔ امرتسر میں ۱۰ اپریل کو پنجاب کے دو مشہور لیڈر ڈاکٹر ستیہ پال اور ڈاکٹر کچلو کو ڈپٹی کمشنر نے بلاکر کہیں نامعلوم جگہ بھیجدیا۔ یہ خبر فوراً شہر میں پھیل گئی سینکڑوں لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ہجوم جلوس کی صورت میں ڈپٹی کمشنر کے بنگلہ کیطرف احتجاج کرنے کے لئے بڑھا اور یہاں پر بھی گولی چلائی گئی۔ جب مشتعل ہجوم زخمیوں کو واپس لے کر شہر کی طرف لوٹا تو نیشنل بنک کو آگ لگادی اور وہاں کے انگریز منیجر کو قتل کردیا۔ اسی طرح شہر کے دوسرے حصوں میں بھی کئی ایک سرکاری دفتروں اور افسروں کو تباہ و برباد کیا گیا۔ گوجرانوالہ اور قصور وغیرہ شہروں میں بھی ایسے واقعات دیکھنے میں آئے جبکہ ڈاکخانوں۔ ریلوے سٹیشنوں اور کچہریوں کو آگ لگا کر انگریز افسروں کو قتل کردیا گیا۔

پنجاب میں مارشل لاء کا نفاذ کردیا گیا۔ ۱۳ اپریل کو بیساکھی کا تہوار تھا۔ اس روز امرتسر میں ایک جلسہ کے انعقاد کا اعلان کیا گیا۔ ہزاروں مرد عورتیں اور بچے جلسہ گاہ میں شامل ہو گئے۔ ایک صاحب مسٹر ہنسراج جبکہ جلسہ میں تقریر کر رہے تھے کہ جنرل ڈائر مشین گن لیکر باغ کے واحد تنگ راستہ سے داخل ہوا۔ اور ہجوم پر گولی چلادی گئی۔ چند منٹوں میں محب الوطنوں کا یہ اجتماع لاشوں کا غضبناک منظر پیش آنے لگا۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ اس چھوٹی سی کتاب میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سب کچھ کہنے سے مراد یہ تھی کہ ان واقعات سے عوام کے اندر حکومت کے خلاف جذبہ ناراضگی پیدا ہو چکا تھا۔ مہاتما جی اس ناراضگی کو عملی شکل دینا چاہتے تھے۔

ستمبر سنہ ۱۹۲۰ء میں کانگرس کا ایک خاص اجلاس زیر صدارت لالہ لاجپت رائے کلکتہ میں بلایا گیا۔ مہاتما جی نے اپنی مشہور معروف تحریک ترک موالات کا ریزولیوشن کانگریس کے سامنے رکھا۔ صدر کانگرس کے علاوہ بنگال کے مشہور لیڈر ولیش۔ سی آر۔ داس بھی اس ریزولیوشن کی مخالفت کر رہے تھے آپ کی مخالفت زیادہ اس لئے تھی کہ اس ریزولیوشن کی رو سے نئی کونسلوں کا بائیکاٹ لازمی تھا۔ آپ کا عقیدہ تھا کہ داخلہ کونسل کے ذریعہ ہندوستان جلدی اپنی منزل پر پہنچ سکتا ہے پنڈت موتی لال نہرو اور علی برادران مہاتما جی کی پشت پر تھے۔ مہاتما جی مسلسل کئی گھنٹے سبجیکٹس کمیٹی کے سامنے اپنی دلائل پیش کرتے رہے کافی بحث مباحثہ کے بعد آخر طے پایا کہ کانگرس کے آئندہ اجلاس میں جو تین ماہ کے بعد ناگپور میں منعقد ہونا تھا۔ اس کا فیصلہ اس اجلاس تک چھوڑ دیا جائے ہر دو پارٹیوں نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ کلکتہ کانگرس اور ناگپور کانگرس کے درمیانی وقفہ میں ہر دو پارٹیوں نے کافی دوڑ دھوپ کی۔ ناگپور اجلاس جو دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء میں مدراس کے مشہور لیڈر مسٹر سی۔ وجے راگھو اچاریہ کی زیر صدارت منعقد ہوا ہندوستانی ڈیلیگیٹوں کے علاوہ لندن کی لیبر پارٹی کے لیڈر مسٹر ویجووڈمین نے بھی اس میں شرکت اختیار کی۔ ماڈریٹ لیڈروں کے علاوہ لیبر پارٹی کے اس نمائندہ نے ریزولیوشن کی مخالفت کی۔ آخر کار کانگرس لیڈروں نے اپنے اختلافات بھی مٹا لئے۔ اور چند ایک ترمیموں کے بعد ریزولیوشن متفقہ طور پر پاس ہو گیا۔

اس تحریک کے ساتھ ساتھ تحریک خلافت بھی جاری ہو چکی تھی۔
مہاتما جی نے علی برادران سے مل کر ہندو و مسلمان دونوں قوموں کی رہنمائی کی۔
اپنے لیڈروں کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے کئی خطاب یافتہ لوگوں نے
خطاب ترک کر دیئے۔ وکیلوں نے وکالتیں چھوڑ دیں۔ ڈاکٹروں نے دوکانیں
بند کر دیں۔ طلباء نے کالج چھوڑ دیئے۔ بدیشی کپڑے کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔
شراب پر پکیٹنگ ہونے لگی۔ ہزاروں مرد۔ عورتیں اور بچے جیلوں میں جانے
لگے۔ تحریک بالکل کامیابی سے چلنے لگی۔ ان دنوں ہندو مسلم اتحاد کے
شاندار مظاہرے نظر آتے تھے زیادہ تفصیل میں جانے سے کتاب کے طویل
ہونے کا ڈر ہے۔ لہٰذا اتنا لکھ دینا مناسب ہے کہ اتنی کامیابی سے تحریک
چلنے کے باوجود بھی ماہ فروری ۱۹۲۲ء میں مہاتما جی نے چورا چوری کے
واقعات کے پیش نظر تحریک کو بند کر دینے کا اعلان جاری کر دیا۔
اس واقعہ کا بیان یوں ہے کہ یو۔ پی کے ایک گاؤں چوری چورا میں مشتعل
ہجوم نے ایک تھانہ کو بند کر کے اسے آگ لگادی اور اس میں قریباً نصف
درجن پولیس والے جلکر خاک ہو گئے۔

مہاتما جی نے اعلان کیا کہ باوجود اس بات کے کہ جنگ کامیابی سے جاری ہے اور عوام باقاعدہ کانگرس کی جد وجہد میں شامل ہو رہے ہیں اس مہم کو عدم تشدد کے اصول کا احترام کرتے ہوئے بند کیا جاتا ہے اور شکست تسلیم کیجاتی ہے گو اس تحریک کے بعد لفظ "سوراج" عوام کی زبان پر چڑھ گیا۔ تاہم کانگرس اس کے بعد کافی عرصہ تک کوئی تحریک جاری نہ کر سکی۔ کانگرس کے اجلاس منعقد ہوتے رہے۔ باقاعدہ کارروائی جاری رہی لیکن کوئی سرگرم تحریک شروع نہ کی جا سکی اور عوام میں کچھ سستی سی آگئی۔

سنہ ۱۹۳۰ء اور اس کے پہلے تین برس کانگرس کی تواریخ میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اسی دور میں سائمن کمیشن ہندوستان میں آیا۔ یہ کمیشن حضور ملک معظم کی گورنمنٹ کی طرف سے ہندوستان کے سیاسی اقتصادی اور معاشرتی حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے بھیجا گیا تاکہ ملک میں آیندہ آئینی ترقی پر کچھ غور کیا جا سکے۔ یہ کمیشن خالص امپیریل نمایندوں پر مشتمل تھا اور اسمیں کوئی ہندوستانی نمایندہ شامل نہ تھا۔ کانگرس نے اس پر پروٹسٹ کیا کہ ہندوستانی نمایندوں کے بغیر ہندوستانی حالات کا مطالعہ ناممکن ہے۔

جب وائسرائے ہند۔ لارڈ اروِن کے سامنے یہ سوال رکھا گیا تو صاف لفظوں میں یہ جواب مل گیا کہ اس میں کوئی اور نمایندہ شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اور کہ کانگرس کے بائیکاٹ کے باوجود بھی کمیشن اپنی تحقیقات جاری رکھے گا۔

بھلا ہو۔ لارڈ موصوف کا۔ عوام بالکل سوئے ہوئے تھے۔ آپ کے اس

رویہ نے پھر تھوڑی سی ہلچل پیدا کر دی۔ یہ چیلنج ۲ فروری کو کانگرس پر پھینکا گیا کانگرس کے لیڈروں نے مشورہ کیا۔ تین فروری کو کمیشن نے ہندوستان کے ساحل پر قدم رکھا۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح کہ پرنس آف ویلز کی آمد کے وقت کیا گیا تھا کانگرس نے کمیشن کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔

تمام ماتحت کمیٹیوں کو حکم ہو گئے۔ کہ جہاں کہیں بھی سائمن کمیشن جائے۔ پُرامن مظاہرے کئے جائیں اور کالی جھنڈیوں سے اس کا استقبال کیا جائے بائیکاٹ کو کامیاب بنانے کے لئے کانگریس کے لیڈر تمام بڑے بڑے شہر دنمیں بھیجدئے گئے۔ حکومت نے ان مظاہروں کو سختی سے روکنے کا تہیہ کر لیا۔ بس کیا تھا سائمن کمیشن کا یہ ہنگامی دورہ تحریک آزادی کی تاریخ کو کبھی بھول نہیں سکتا کہیں تو یو۔ پی میں پنڈت جواہر لال نہرو اور پنڈت گوبند بلبھ پنت کو پولیس کی لاٹھیاں کھانی پڑیں اور ہمارے اپنے صوبہ میں شیر پنجاب لالہ لاجپت رائے پر بھی ہجوم کے ساتھ پولیس کی لاٹھیاں پڑیں۔ اس کے علاوہ مدراس میں پولیس کو گولی چلانی پڑی۔

حکومت کی اتنی احتیاط کے باوجود بھی ہندوستان کے لوگوں نے نہایت کامیاب مظاہرے کئے۔ لکھنؤ میں جب قیصر باغ میں کمیشن کو پارٹی دیجا رہی تھی تو وہاں پر آسمان سے پتنگ اور غبارے پھینکے گئے جن پر سائمن کمیشن واپس جاؤ کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ آخر ۳۱ مارچ کو کمیشن کے پاؤں ہندوستان کی سرزمین سے اکھڑے اور عوام میں بیداری کے نشانات بڑھنے لگے۔

اس وقت ہندوستان میں ایک نئی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ پبلک سیفٹی بل

جوکہ اسمبلی میں پہلی دفعہ پریذیڈنٹ کے کاسٹنگ ووٹ سے گر چکا تھا۔ وائسرائے کی سفارش پر دوبارہ اسمبلی میں پیش ہوا۔ جسکے دوران میں اسمبلی ہال میں بم پھینکا گیا۔ لاہور میں لالہ لاجپت رائے کی شہادت نے نوجوانوں کو مشتعل کر دیا تھا۔ جس کیوجہ سے لاہور پولیس کے مسٹر سانڈرس کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اسیطرح تشدد نے ملک کے ہر گوشہ میں کسی نہ کسی وجوہات کی بناء پر اپنا سر اٹھالیا تھا۔ مدنا پور کے مسلسل کئی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کا عدالت میں گولیوں سے اڑایا جانا۔ چلتی گاڑیوں میں پولیس کے پہرے تلے سرکاری خزانوں کا لوٹا جانا۔ لارڈ ارون کی اسپیشل گاڑی پر بم پھینکا جانا۔ اور تشدد سے بریز واقعات اور روح فرسا خبریں اخبارات میں شائع ہو رہی تھیں۔

دوسری طرف کلکتہ کانگرس کے اجلاس جو کہ پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ اس کے فیصلے پرانے ہو چکے تھے۔ اس اجلاس میں نوجوانوں کی طرف سے کوشش کیگئی تھی۔ کہ ملک کا نصب العین مکمل آزادی ہونا چاہیئے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اس کے برعکس مہاتما جی کی خواہش کے مطابق یہ پاس کیا گیا کہ برطانوی حکام کو ..... کہ اگر ایک سال کے اندر اندر ہندوستان کے لئے درجہ نوآبادیات کا اعلان نہ کیا گیا تو کانگرس اپنا نصب العین مکمل آزادی مقرر کرے گی۔ اس سال کی میعاد لاہور کانگرس کے موقع پر ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کو پوری ہوتی تھی۔

(۴)

لاہور کانگرس نئی امنگیں اپنے ساتھ لے کر مشہور نوجوان رہنما پنڈت

جواہر لال کی صدارت میں منعقد ہو رہا تھا۔ اس ہنگامہ خیز اجلاس میں بہت سے ایسے مسائل پر غور کیا گیا اور کئی ایسے فیصلے کئے گئے جو ہندوستان کی تواریخ آزادی میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ جب ایک سال کی دی گئی مہلت گذر گئی۔ تو دریائے راوی کے کنارے لاجپت نگر میں ۳۱ر دسمبر رات کے ۱۲ بجے یہ تواریخی فیصلہ ہوا کہ اب ہندوستان کے لوگ مکمل آزادی سے کم کسی آئین کو منظور نہ کریں گے اس مطلب کے لئے ورکنگ کمیٹی نے ۲ر جنوری کو ایک ریزولیوشن کے ذریعہ تمام ملک سے اپیل کی کہ ہر سال ۲۶ر جنوری کو یوم آزادی منایا جائے۔ ورکنگ کمیٹی نے مندرجہ ذیل ریزولیوشن پاس کیا۔

قومی آزادی کیطرف بڑھائے گئے۔ اس عظیم الشان قدم کے علاوہ بھی لاہور کانگرس کئی لحاظ سے اہم تھا۔ پنڈت موتی لال نہرو کی قانونی قابلیت اور بے انتہا محنت کے باوجود بھی آپ کی مرتب کردہ نہرو رپورٹ نہ ہی تو کانگرس کے بائیں بازو کو اور نہ متعدد اقلیتوں کو مطمئن کر سکی چنانچہ ۱۹۲۸ء میں آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ میں اس رپورٹ کو تیار کرتے وقت جو ہنگامہ پیش آیا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کانگرس کے اندر دائیں اور بائیں بازو کا سوال پیدا کرنے کی ذمہ داری بھی اس رپورٹ کے سر پر عائد ہوتی ہے کانگرس کا نوجوان طبقہ جو اپنی بکھری ہوئی طاقت کی وجہ سے آج تک بےبسی کا شکار ہو رہا تھا۔ اس کانفرنس کے موقعہ پر اپنے آپ کو منظم کرنے کی کوشش کی۔ دیش کے ہونہار نوجوان شری سبھاش چندر بوس جنہیں ماڈلے جیل کی رہائی سے ابھی ایک برس ہی ہوا تھا اور جو حال ہی میں دیش بندھو داس کی بے وقت موت کے بعد مدراس کانگرس کے موقعہ پر ورکنگ کمیٹی میں صوبہ بنگال کی نمایندگی کرنے کے لئے نامزد کئے گئے تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کے تعاون کے ساتھ آپ نے آل پارٹیز کانفرنس کے موقعہ پر نہ صرف نہرو رپورٹ کی مخالفت کی جو کہ اپنا نقطہ نگاہ درجہ نوآبادیات تک محدود رکھنا چاہتی تھی بلکہ انڈی پنڈنس لیگ کا قیام وجود میں لاکر سامنے کامل آزادی کا پروگرام رکھ دیا۔ اس روز سے لیکر ملک کے سامنے کامل آزادی کا پروگرام رکھدیا۔ اس روز سے لیکر جس عظیم طاقت کا مظاہرہ نوجوانوں نے کیا۔ لازمی طور پر اس نے دائیں بازو کے لیڈروں کے دل ہراساں کر دیئے۔ نوجوانوں نے متعدد کانفرنسیں

ملک میں منعقد کیں۔ مہاراشٹر۔ کلکتہ۔ لاہور۔ ناگپور و دیگر مقامات پر سبھاش بوس۔ جواہر لال ناریدن اور کملا دیوی چٹو پدھیا کی زیر صدارت منعقد کئے گئے۔ نوجوانوں اور طلبا کے عظیم الشان اجتماع لاہور کانگرس کے عظیم الشان فیصلہ کی اہمیت میں کافی اثر انداز ہوئے لیکن لاہور کے کانگرس کے موقعہ پر بائیں بازو کو ایک عظیم صدمہ بھی ملا جس سے آج تک نوجوان کانگرس میں طاقت حاصل نہ کر سکے مہاتما جی اور پنڈت موتی لال نہرو جنہیں ملک کی سیاست میں ایک قابل رشک جگہ حاصل تھی نوجوانوں کے اس بڑھتے ہوئے وقار سے کچھ خائف ہو کر بائیں بازو کے سب سے با رسوخ اور قابل احترام لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو کو اپنی طرف جیت لینے میں کامیاب ہو گئے۔ یہاں نہیں اکتفا نہ کیا بلکہ پنڈت جی جو آجتک بائیں بازو کا فخر اور اس کے قابل اعتماد رہنما تصور کئے جاتے تھے ان ہی قلم سے سبھاس بوس۔ سری نواس آئینگر اور دیگر بائیں بازو کے لیڈروں کو جو کئی برسوں سے ورکنگ کمیٹی کے ممبر چلے آتے تھے ان کے نام سنہ ۳۰-۱۹۲۹ء کے کیبنٹ سے کٹوا دئے گئے تاکہ ورکنگ کمیٹی کے اندر نوجوان کسی قسم کی رخنہ اندازی نہ کر سکیں۔ چنانچہ اس ناانصافی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کانگرس کے اندر ڈیموکریٹک پارٹی کا قیام کیا گیا۔

دوسری طرف کمیونل ایوارڈ اور نہرو رپورٹ نے پنجاب کے سکھوں کے اندر ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ گو سکھ ایک چھوٹی سی اقلیت ہونے کی وجہ سے ملک کی اکثریت کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو سکتے تھے۔ لیکن جس جرات۔ شجاعت اور مردانگی کا ثبوت ان جوانمردوں میں گوردوارہ تحریک

میں دیا۔ عدم تشدد پر پابند رہتے ہوئے ان جسیم بہادروں نے جس شان کے
ساتھ، بیجڑوں کے ہاتھوں سے چل رہی لاٹھیوں کا استقبال اپنی کھوپڑیوں پر
کیا جس استقلال اور ہمت کے ساتھ سنسناتی ہوئی گولیوں کے سامنے اپنی
چھاتیوں کو بچھایا اور جس زندہ دلی کے ساتھ ان قوی ہیکل شور بیروں نے
انجن کے فولادی پہیوں تلے قیمہ قیمہ ہوجانا منظور کر لیا۔ ان بے انتہا مسلسل
اور عظیم الشان قربانیوں نے ملک کی اکثریتوں کو مجبور کر دیا کہ جوانمرد اس
چھوٹے سے قافلے کی رضامندی حاصل کئے بغیر ملک کا آئین مرتب نہ کر سکیں

چنانچہ لاہور کانگرس کے موقعہ پر سکھوں نے ایک عظیم الشان مظاہرہ کیا

ان دنوں لنڈن میں گول میز کانفرنس منعقد کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں
ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں کو اسمیں شرکت کی دعوت دی گئی۔ کانگرس
کے اندر باہمی اختلاف اس معاملہ پر موجود تھا چند لیڈروں کا خیال تھا کہ اس
کانفرنس میں شرکت کر لینا ہی بہتر ہے اور چند دیگر لوگوں کا خیال تھا کہ اس
کانفرنس میں شرکت کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ ابھی یہ معاملہ قطعی فیصلہ کی
حد تک نہ پہنچا تھا۔ اور ملک میں قوم آزادی کے سلسلہ میں پورے زور سے
سرگرمیاں جاری تھیں کہ ۲۵ جنوری ۱۹۳۰ء کو وائسرائے بہادر۔ لارڈ ارون
نے اپنی تقریر میں اس معاملہ کا فیصلہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا "ملک معظم کی حکومت
جو کانفرنس بلا رہی ہے۔ یقیناً وہ ایسی کانفرنس نہیں جس کے متعلق کہا گیا ہے

کہ ہندوستانی نمایندوں کی اکثریت سے جس دستور سیاسی کی سکیم منظور ہو جائے وہ پارلیمنٹ بغیر کسی ترمیم و تنسیخ کے قبول کرے بلکہ یہ کانفرنس صرف ملک معظم کی حکومت کو اس فیصلہ میں امداد دینے کیلئے ہوگی اور تجاویز اور اسکیم وغیرہ بنانے کی ذمہ داری اسی پر ہوگی جو بعد میں پارلیمنٹ میں پیش کی جائے گی۔

آپ نے مزید کہا ہندوستان کو صرف وہی کچھ ملیگا جو انگلستان دینا چاہیے گا۔ ہندوستانی آرار اور پبلک کے جذبات کو بالکل ملحوظ نہیں رکھا جائیگا ہندوستانی نمایندوں کو محض مشورہ کے لئے طلب کیا جائے گا۔

وائسرائے بہادر کی اس صاف گوئی نے گول میز کانفرنس کی شرکت کا سوال تو یہیں ختم کر دیا تھا۔ اب سوال سول نافرمانی شروع کرنے کا تھا۔

اس قسم کے کورے جواب کے باوجود بھی مہاتما گاندھی نے کوشش کی کہ سول نافرمانی تک نوبت نہ آئے۔ لیکن آپ کی خواہش کا احترام صدقدلی سے نہ کیا گیا۔ چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل پیش کش وائسرائے کے سامنے رکھی۔

۱۔ منشی اشیار کا استعمال مکمل طور پر ممنوع قرار دیا جانا۔

۲۔ شرح تبادلہ ۱۸ پنس کی بجائے ۱۶ پنس۔

۳۔ مالیہ زمین میں ۵۰ فیصدی تخفیف اور لیجسلیٹو کنٹرول میں کرنا۔

۴۔ محصول نمک کی تنسیخ۔

۵۔ فوجی اخراجات میں کم از کم ۵۰ فیصدی تخفیف۔

۶۔ اعلیٰ آسامیوں کی تنخواہوں میں نصف کی کمی یا جو تخفیف شدہ زمین کے مناسب۔

- غیر ملکی کپڑے پر حفاظتی محصول۔
- کوسٹل ٹریفک ریزولیوشن بل کا راستہ۔
- قتل کے ملزموں کے علاوہ تمام سیاسی قیدیوں اور نظر بندوں کی رہائی
- تمام ہندوستانی جلاوطنوں کی ملک واپسی کی اجازت اور دفعہ ۱۴۴ الف کے ماتحت چلائے گئے تمام مقدمات کی واپسی۔
- محکمہ سی۔آئی۔ڈی کو توڑ دیا جائے۔
- آتشین اسلحہ کے لئے عام لائسنس جاری کئے جائیں۔

نہایت صدق دلی سے یہ شرائط حکومت کے سامنے رکھی گئی تھیں۔ لیکن بدقسمتی سے صلح کی ان شرائط کا بھی وہی حشر ہوا جو اس سے پہلے متعدد درخواستوں کا ہو چکا تھا۔ اس مایوسی کے ماحول میں ماہ فروری میں سابرمتی کے مقام پر کانگریس ورکنگ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ سول نافرمانی کا آغاز ان حالات میں ضروری ہو چکا ہے چنانچہ مہاتما جی نے سکیم مرتب کر لی۔ قانون نمک شکنی کا پروگرام ملک کے سامنے رکھا۔

ستیہ گرہ شروع کرنے سے پہلے ۲ مارچ کو آپ نے ایک تاریخی چٹھی ایک نوجوان انگریز مسٹر ایجی نلڈ رینالڈز کے ہاتھ وائسرائے کو بھیجی اور اسے اپنے ارادوں سے مطلع کیا۔ یہ چٹھی نہایت دلچسپ اور پراز معلومات ہے۔ چنانچہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

ستیہ اگرہ آشرم سابرمتی

۲ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء

"پیارے دوست!

"سول نافرمانی کے اجراء اور اس خطرہ میں داخل ہونے سے پیشتر جس سے کہ میں کئی سال سے بچنے کی کوشش کرتا رہا ہوں آپ تک پہنچنا ضروری تصور کرتا ہوں۔

میرا ذاتی عقیدہ بالکل واضح ہے میں کسی زندہ چیز کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتا۔ خواہ وہ ایسے انسان ہوں جنہوں نے مجھے زیادہ سے زیادہ نقصان ہی کیوں نہ پہنچایا ہو۔ اور باوجود اس حقیقت کے کہ .... سمجھتا ہوں میں نہ تو کسی انگریز کو اور نہ ہی اس کے جائز مفاد کو نقصان پہنچانے کا طالب ہوں۔ میرے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی نہ رہنی چاہیے۔ گو میں انگریزی حکومت کو اچھا نہیں سمجھتا ہوں مگر میں انگریزوں کو عام طور پر دنیا کی دیگر اقوام سے برا نہیں سمجھتا اور کئی انگریز میرے عزیز ترین دوست ہیں اور مجھے کسی قسم کی خامیاں بھی انگریز دوستوں کی تحریروں سے معلوم ہوئی ہیں۔ جنہوں نے حق و صداقت کے ظاہر کرنے میں کبھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

اب آپ سوال کریں گے کہ میں برطانوی حکومت کو اچھا کیوں نہیں سمجھتا۔

"اس حکومت نے ہندوستان کے کروڑوں بے زبان انسانوں کو ایڈ منسٹریشن کے فضول سسٹم اور فوج کے غیر معمولی اخراجات سے مفلس و قلاش بنا دیا ہے اور ان بھاری اخراجات کا ایسا بار ڈالا ہے جو ہندوستان جیسے ملک کے لئے ناقابل برداشت ہے۔

"اس نے سیاسی طور پر ہمیں پاتال میں پھینک دیا۔ ہماری تہذیب اور پرانی سبھیتا کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ اور غیر مسلح کرنے کی پالیسی نے تو ہمیں روحانی طور پر بھی ذلیل کر دیا ہے۔ اور اس کے باعث غیر معمولی طور پر بے بس ولاچار اور بزدل بنا دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

" اپنے دوسرے کئی ہموطنوں کے ساتھ میرا بھی خیال تھا کہ گول میز کانفرنس کچھ خوشگوار اور تسلی بخش حل پیش کرے گی۔ لیکن آپ کے یہ کہنے پر کہ آپ یا برطانوی وزارت درجہ نوآبادیات کے متعلق کوئی خاص وعدہ نہیں کر سکتی۔ گول میز کانفرنس سے کسی قسم کے تسلی بخش نتیجہ کی توقع رکھنا ہی فضول ہے اور نہ ہی اس کے نتائج کسی طرح ہندوستان کے غریب اور مفلس طبقہ کو مطمئن کر سکتے ہیں۔ یہ کہنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ پارلیمنٹ کی منظوری کے متعلق کبھی سوال پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ کئی ایک ایسی مثالیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ کے فیصلہ سے پیشتر ہی برطانوی وزارت نے خاص مواعید کر لئے تھے۔

" دہلی کا انٹرویو کلکتہ کانگرس کے ریزولیوشن کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری تھا۔"

' اگر آپ اپنی تقریر میں ' درجہ نوآبادیات ' کا لفظ عجیب معنوں میں استعمال کر سکتے ہیں تو آپ کو آزادی کے لفظ بر خلاف کا احساس و اظہار کرنا چاہیئے۔ کیا برطانوی مدبرین اور سیاست دانوں نے یہ تسلیم نہیں کیا۔ کہ

درجۂ نوآبادیات آزادی ہی ہے ؟ لیکن خطرہ تو یہ ہے ۔ کہ برطانیہ نے کبھی بھی مستقبل قریب میں اس قسم کا درجۂ نوآبادیات ہندوستان کو دینے کی خواہش ظاہر نہیں کی ۔ لیکن یہ باتیں سب ماضی سے تعلق رکھتی ہیں ۔ اعلان کے بعد کئی ایک اور ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں ۔ جو برطانوی پالیسی کے رحجان کو صاف ظاہر کر دیتے ہیں ۔

" یہ تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ذمہ دار برطانوی سیاستدان ہندوستان کے متعلق برطانوی پالیسی میں کسی قسم کی ایسی تبدیلی کرنے کے لئے تیار نہیں جس سے اس کی تجارت پر کوئی اثر نہ پڑے گا ۔ اگر اس تجارتی لوٹ کو ختم کرنے کے لئے کوئی قدم نہ اٹھایا گیا تو رہا سہا ہندوستان جلدی تباہ ہو جائے گا ۔ ممبر مالیات خود اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ ۱۶ پنس سے ۱۸ پنس شرح تبادلہ کر کے ایک ہی جنبش قلم سے غریب ہندوستان کا کروڑوں روپیہ سالانہ چھین لیا جانے کا انتظام کر دیا گیا ہے ۔ لیکن اگر ان غیر منصفانہ قوانین کو ختم کرنے کے لئے کوششیں کی جاتی ہیں تو آپ ہندوستان کے امیر طبقہ اور زمینداروں سے امداد کی اپیل کرتے ہیں تاکہ اس قانون کے نام پر جو ہندوستان کو پیس رہا ہے ۔ اس کوشش کو کچل دیا جائے ۔"

" جب تک کہ قومی کارکن اور ملک کی خاطر قربانیاں کرنے والے آزادی کے صحیح و درست مقاصد کو پیش نظر نہ رکھیں خطرہ ہے کہ وہ آزادی جو ہم کو ملے گی ۔ اُن کروڑوں بے زبان سادہ لوح اور تباہ حال ہندوستانیوں کی

لئے مفید نہ ہوگی۔ جن کے لئے اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں پبلک کو آزادی کے صحیح مفہوم سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے آپ کے سامنے بھی چند حقائق اس کے متعلق رکھنے چاہئیں۔

" آزاد ہندوستان میں مالیہ زمین کا کڑا اور ظالمانہ طریقہ کی کافی اصلاح ہونی چاہیئے۔ ہندوستان کا موجودہ مستقل بندوبست کسانوں کو نہیں بلکہ مٹھی بھر زمینداروں کو ہی فائدہ پہنچاتا ہے۔ کسانوں کی حالت ویسی ہی خراب ہے۔ جیسی کہ پہلے تھی۔ وہ ایک معمولی مزارعہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔"

" نہ صرف مالیہ زمین ہی کافی حد تک کم ہونا چاہیئے۔ بلکہ کسانوں کے مفاد کے پیش نظر تمام ریونیو سسٹم کو ہی تبدیل کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ برطانوی سسٹم تو ان غریب کسانوں کو تباہ کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ یہاں تک کہ نمک پر محصول لگا دیا گیا ہے۔ جو ان کی روزانہ کی ضروریات کا لازمی جزو ہے۔ محنت و مشقت کے باعث جس کا زیادہ مقدار میں استعمال نہایت ضروری ہے۔ شراب وغیرہ کا ٹیکس بھی ہندوستان کے غریب طبقہ کی جیبوں سے نکالا جارہا ہے۔ یہ ان کو جسمانی روحانی اور اخلاقی طور پر تباہی کی طرف لے جارہا ہے۔ انفرادی آزادی کے پردہ میں اس کی حفاظت کیجاتی ہے۔ مگر یہ دیدہ و دانستہ عائد کیا گیا ہے۔ اور اگر وزرا اس محصول اور ٹیکس کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ کسی تعلیم کے شعبہ کی طرف سے پوری کی جاتی ہے۔ جیساکہ بجربہ ہوچکا ہے۔ حالانکہ ہندوستان ایسے ملک میں زیادہ

سے زیادہ تعلیم کی اشد ضرورت ہے ۔ اگر ٹیکسوں کے غیر معمولی بار نے غریب ہندوستانیوں کا کچومر نکال دیا ہے۔ تو گھریلو صنعتوں کی تباہی نے روپیہ پیدا کرنے سے بھی ان کو عاری کر دیا ہے "

" ہندوستان کے نام پر جو قرضہ جات لئے گئے ہیں ان کے بیان کے بغیر اس ملک کی تباہی کی داستان غیر مکمل رہے گی۔ اور ان قرضہ جات کے متعلق پریس میں کافی کہا جا چکا ہے۔ اور آزاد ہندوستان کا یہ فرض ہونا چاہیئے ۔ کہ وہ اس قسم کے قرضہ جات کو ایک زبردست تحقیقات کے بعد ہی قبول کرے اور جو غیر منصفانہ معلوم ہوں اُن سے قطعی انکار کر دے۔ مجھے یہ کہنے میں ذرہ بھر بھی باک نہیں ہے کہ ہندوستان میں برطانوی ایڈمنسٹریشن دنیا کے تمام نظامہائے حکومت سے مہنگی ہے۔ اپنی تنخواہ ہی کو لیجئے۔ یہ اکیس ہزار ماہوار ہے۔ الاؤنس وغیرہ اس کے علاوہ ہیں آپ غور کیجئے۔ کہ برطانوی وزیر اعظم پانچ ہزار پونڈ سالانہ یعنی ۵۴۰۰ روپیہ ماہوار کے قریب تنخواہ پاتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں آپ ۷۰۰ روپیہ روزانہ حاصل کر رہے ہیں حالانکہ ہندوستان کی روزانہ اوسط آمدنی دو آنہ سے بھی کم ہے۔ برطانیہ کا وزیر اعظم برطانوی لوگوں کے دو روپیہ اوسط آمدنی کے مقابلہ میں صرف ۱۸۰ روپیہ روز لیتا ہے۔ اس طرح آپ ہندوستانی اوسط آمدنی سے پانچ ہزار گنا زیادہ تنخواہ لے رہے ہیں۔ اور برطانوی وزیر اعظم وہاں کے لوگوں کی آمدنی سے صرف نوے گنا زیادہ

میں کہنے جو کا مقصد ہے آپ سے اِن حالات پر غور کرنے کی درخواست

کرتا ہوں۔ میں نے ایک دکھدائی حقیقت کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں آپ کے لئے ایک زبردست جذبۂ احترام رکھتا ہوں۔ میرا مقصد آپ کے جذبات کو تکلیف دینا نہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کو اس تنخواہ کی ضرورت نہیں جو آپ حاصل کر رہے ہیں اور غالباً آپ کی تمام تنخواہ ہی خیراتی کاموں میں صرف ہوتی ہے۔ لیکن جس سسٹم کے ذریعہ تنخواہ دی جاتی ہے۔ اس کی مذمت کرنا نہایت ضروری ہے۔ جو کچھ وائسرائے کی تنخواہ کے متعلق صحیح ہے۔ وہ ایڈمنسٹریشن کی دوسری باتوں کے متعلق بھی درست ہے۔"

"مالیہ زمین میں تخفیف کرنے کے لئے ایڈمنسٹریشن کے اخراجات میں بھی اسی قدر تخفیف اور کمی کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ حکومت کی تمام اسکیم ہی تبدیل کرنی پڑے گی۔ اور بغیر آزادی کے یہ تبدیلی ناممکن ہے۔ چنانچہ ان لاکھوں لوگوں نے جنہوں نے ۲۶ جنوری کو مظاہروں کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آزادی اسی ناقابل برداشت بار سے نجات کا نام ہے۔ لیکن میرے اپنے خیال میں برطانیہ کا کوئی باشندہ بھی ہندوستانی لوٹ کو بند کرنا نہیں چاہتا جس سے وہ روز بروز زیادہ فائدہ اٹھا رہا ہے۔"

"بہرحال اگر ہندوستان نے ایک قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے اور اگر ہندوستانی لوگوں کی فاقہ مستی کا خاتمہ ہونا ہے۔ تو اس کے لئے فوری حل کی ضرورت محسوس ہوگی۔ مجوزہ کانفرنس ہرگز ہرگز اس فاقہ مستی کا علاج نہیں۔ اس کے لئے دلائل و براہین کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں۔

کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ برطانیہ اپنے تجارتی مفاد کو ضرور ہندوستان پر ترجیح دیگا اور ہندوستان اس موت کے پنجہ سے نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے کی پوری پوری کوشش کرے گا۔"

اس میں انکار نہیں ہو سکتا انہی وجوہات کے باعث تشدد پیدا ہو رہا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی غیر منظم کیوں نہ ہو لیکن تشدد حصول مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا اور نہ ہی یہ لاکھوں اور کروڑوں فاقہ مست ہندوستانیوں کی تکالیف ہی کا حل کر سکتا ہے۔ اور روز بروز میرا عقیدہ راسخ ہوتا جا رہا ہے۔ کہ حکومت کی جابرانہ پالیسی اور غیر معمولی سخت گیری کو صرف عدم تشدد ہی روک سکتا ہے اور خاموشی اور سکوت اختیار کر لینے کے معنی ان ہر دو طاقتوں کو ترقی دینا ہے۔ اور ان حقیقتوں کو جانتے ہوئے اور عدم تشدد کی طاقت کا اندازہ لگاتے ہوئے بھی انتظار کرنا میرے خیال میں گناہ ہے۔"

"عدم تشدد کا اظہار سول نافرمانی کے ذریعے کیا جائے گا۔ جو فی الحال آشرم کے مکینوں تک ہی محدود رہے گی۔ لیکن آہستہ آہستہ ہندوستان بھر کے اُن تمام اصحاب کی طرف سے شروع ہو جائے گی۔ جو ایسا کرنا چاہینگے میں جانتا ہوں کہ سول نافرمانی کے اجراء سے میں ایک زبردست خطرہ میں داخل ہو رہا ہوں کہ صداقت کی فتوحات بغیر خطرہ کے نہ حاصل ہوئی ہیں اور نہ کبھی ہوں گی اور جو قوم عرصہ سے دوسری قوم کے غلبہ میں ہو جس سے وہ کسی صورت میں بھی کم مہذب نہ ہو۔ اس کے لئے یہ خطرہ لینا ضروری ہے۔

" میں نے دیدہ دانستہ تبدیلی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کیونکہ میں عدم تشدد کے ذرائع اور عقائد سے انگریزوں میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر کے انہیں صحیح حیثیت حالات دیکھنے کے لئے مجبور کردوں گا۔ میں آپ کے لوگوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا نہیں چاہتا۔ اور میں ان کی اسی طرح خدمت کرنا چاہتا ہوں جس طرح کہ اپنے ہموطن بھائیوں کی اور مجھے یقین ہے کہ میں نے انکی ہمیشہ خدمت کی ہے۔ اور خصوصاً ۱۹۱۹ء تک تو بالکل بغیر سوچے سمجھے ان کی خدمت میں مصروف رہا ہوں لیکن جب میرے سامنے عدم تعاون کا مسئلہ پیش ہوا تو اس وقت بھی یہ جذبہ نظر انداز نہ ہوا۔ اور میں نے حکومت کے خلاف وہی ہتھیار اٹھایا جو میں نے ایسے موقع پر اپنے خاندان کے ممبروں کے خلاف ہمیشہ کامیابی سے استعمال کیا ہے۔ اور اگر مجھے اپنے ہموطنوں کے برابر ہی آپ کے لوگوں سے بھی محبت ہے تو وہ بہت عرصہ تک پوشیدہ نہیں رہ سکیگی اور وہ بالآخر اس کا اعتراف کرینگے۔

" سول نافرمانی کے ذریعہ اُن برائیوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ جن کا ذکر کہ میں پہلے کر چکا ہوں۔ اگر ہم برطانیہ سے اپنے تعلقات منقطع کرنا چاہتے ہیں تو وہ انہی عیوب اور نقائص کے باعث اور اگر یہ تمام عیوب و نقائص دور ہو جائیں گے۔ تو پھر راستہ نہایت آسان ہو جائے۔ اور دوستانہ گفت و شنید کے ذرائع پیدا ہو جائیں۔ اگر ہندوستان سے برطانوی تجارت حرص و آز سے مبرا ہے تو اُسے ہماری آزادی کو تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ اس لئے میں آپ سے مودبانہ طور پر درخواست کرتا ہوں کہ آپ ان تمام برائیوں کو دور کر کے مساوی حیثیت سے گفت و شنید کرنے کے لئے کانفرنس کی راہ صاف کر دیں

آپ نے غیر ضروری طور پر ہندوستان کے فرقہ وارانہ مسائل پہ زور دیا ہے۔ گو یہ مسائل نہایت اہم اور ضروری ہیں۔ لیکن ان سے بھی زیادہ اہم معاملات پر بھی آپ نے غور کرنے کی سعی ہی نہیں کی۔ اور اگر آپ مذکورہ بالا برائیوں کو دور کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں دیکھتے اور میری چٹھی کا آپ پر مطلقاً کوئی اثر نہ ہو تو میں اسی اس ماہ کی گیارہ تاریخ کو اپنے آشرم کے ساتھیوں کے ہمراہ سمندر کے کنارے قانون نمک کو توڑنے کے لئے روانہ ہو جاؤں گا۔ میں اس ٹیکس اور محصولوں کو سب سے زیادہ غیر منصفانہ سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس محصول نے غریب طبقہ پر ایک ناقابل برداشت بوجھ ڈال رکھا ہے۔ اس لئے ابتدا اسی سے ہونی چاہیے حیرت تو یہ ہے کہ ہم عرصہ دراز سے آپ کی اس اجارہ داری کو تسلیم کرتے آئے ہیں اور اس کے خلاف کوئی مہم جاری نہیں کی۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے گرفتار کر کے آپ میری اسکیموں کو ناکام کر سکتے ہیں۔" میں ہرگز آپ کو غیر ضروری طور پر تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ لیکن اگر ان مسائل پر آپ تبادلۂ خیالات اور بحث کرنے کے لئے تیار ہوں تو میں آپ کا تار موصول ہونے پر میں اس چٹھی کی اشاعت کو ملتوی کر سکتا ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ آپ میرے راستہ میں تاخیر پیدا کرنے کی اس وقت تک کوشش نہ کرینگے جب تک کہ آپ میری چٹھی میں بیان کردہ برائیوں کو دور کرنے کا ارادہ آپ کے دل میں پیدا نہ ہو۔

" یہ چٹھی کسی قسم کی دھمکی کی مظہر نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک فرض کے طور پر لکھی گئی ہے۔ جو ایک سول نافرمانی کے لئے ضروری ہوتا ہے اور اسی وجہ سے کہ میں اس چٹھی کو ایک انگریز دوست کے ذریعہ بھیج رہا ہوں۔ جو ہندوستانی کاز بر

یقین اور عدم تشدد میں پورا پورا عقیدہ رکھتے ہیں اور جسے تقدیر نے شاید اسی خاص مطلب کے لئے بھیجا ہے۔

میں ہوں آپ کا مخلص دوست

ایم۔ کے گاندھی

وائسرائے نے اس چٹھی کو الٹی میٹم قرار دیتے ہوئے جواب دیا۔ کہ "مہاتما گاندھی ایک ایسا ذریعہ اختیار کر رہے ہیں جو صاف قانون شکنی ہے اور جس سے امن عامہ خطرہ میں ہے۔"

مہاتما جی کا ارادہ اس چٹھی سے الٹی میٹم نہ تھا۔ چنانچہ آپ نے وائسرائے کو ایک اور زوردار جواب دیا۔ جس میں فرمایا کہ "میں نے گھٹنے ٹیک کر روٹی کی درخواست کی تھی مگر روٹی کی بجائے پتھر دیا گیا ہے۔ انگریزی قوم ہمیشہ طاقت کا جواب طاقت سے دیتی ہے۔ اس لئے مجھے وائسرائے کے جواب سے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ واحد پبلک امن جو کچھ یہ قوم جانتی ہے وہ جیلخانوں کا امن ہے لیکن ہندوستان تو تمام کا تمام ملک ہی عملی جیلخانہ ہے۔ میں اس برطانوی قانون کو ذلت سمجھتا ہوں۔ اس کو توڑنا ہی اپنا فرض مقدس تصور کرتا ہوں۔"

یہ کچھ کرنا اور کہنے کے بعد مہاتما جی نے اپنی لوار یخی ڈانڈی مارچ شروع کیا۔ آپ نے آشرم کے بچیتر آدمی ساتھ لے کر قانون نمک شکنی کا آغاز کیا اور روانہ ہوتے وقت مہاتما جی نے اعلان کیا کہ وہ یا تو راستہ ہی میں مر جائیں گے اور اگر زندہ رہے تو سوراجیہ حاصل کرنے سے پیشتر آشرم میں داخل نہیں ہوں گے۔

سول نافرمانی کی یہ تحریک ہنگامی واقعات کی ایک دردناک داستان تھی

چاروں طرف سے لاٹھی چارج۔ گرفتاریوں اور گولی چلنے کے واقعات سنائی دیتے تھے۔ مہاتما جی نے عباس طیب جی کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور ہر ایک ڈکٹیٹر گرفتاری سے پہلے اپنا جانشین مقرر کر دیتا تھا۔

اس تحریک میں کم و بیش بیس مقامات پر پولیس نے گولی چلائی۔ جس میں گورنمنٹ کے بیان کے مطابق ایک سو سے زائد آدمی ہلاک ہوئے۔ اور پانچ صد کے قریب اشخاص زخمی ہوئے۔ قصہ خوانی بازار پشاور میں نوجوان پٹھانوں پر گولی چلائی جانا یہ بھی اسی تحریک کا ایک ناقابلِ فراموش سانحہ ہے۔ سخت گیرانہ قوانین اپنی انتہا تک پہنچ چکے تھے۔ اخبارات کی زبان بندی کے سلسلہ میں لاکھوں روپیہ کی ضمانتیں ضبط ہو چکی تھیں۔ لیکن جوش روز بروز بڑھتا ہی جاتا تھا۔

سخت گیرانہ قوانین کی پوری طاقت آزمائی کے بعد بھی جب تحریک کمزور نہ ہوئی تو حکومت کی طرف سے صلح کی کوششیں شروع ہوئیں۔ ملک کے تمام لیڈروں کو جو علیحدہ علیحدہ جیلوں میں مقیم تھے یروداجیل میں اکٹھا کر دیا گیا جہاں مہاتما جی نظربند تھے۔ تاکہ صلح نامہ کی شرائط پر غور کر سکیں۔ سر تیج بہادر سپرو اور مسٹر ایم۔ آر۔ جیاکر نے بے انتہا کوشش کی۔ لیکن یہ کام آسانی سے سر نہ چڑھ سکا۔ آخر کار مسٹر ہوریس الگزینڈر نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا۔

۲۱ جنوری ۱۹۳۱ء کو یکایک یہ خبر اخباروں میں نکلی کہ مہاتما گاندھی اور دیگر بیس لیڈروں کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا گیا ہے تاکہ گول میز کانفرنس میں شمولیت اور حکومت سے سمجھوتہ کے متعلق کسی قسم کا آزادانہ فیصلہ کر سکیں۔ آخر کار مسٹر جے

بالا اصحاب کی کوششوں سے گاندھی ارون معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ اس معاہدہ میں بہت سی ضروری باتیں طے ہوئیں اور سب سے اہم فیصلہ جو اس میں ہُوا وہ یہ تھا کہ کانگرس سول نافرمانی کو بند کر کے دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کرے گی اور حکومت تمام سیاسی قیدیوں کو ماسوائے اُن کے جو دہشت زدگی کے سلسلہ میں گرفتار کئے گئے تھے رہا کر دے گی۔

ابھی اس معاہدہ کی سیاہی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ ۱۷ راپریل کو لارڈ ارون واپس ولایت چلے گئے۔ اور ان کی جگہ لارڈ ولنگڈن نے چارج لیا اور اس کے فوراً ہی بعد معاہدۂ دہلی کی خلاف ورزی ہوتی شروع ہو گئی۔ لاٹھی چارج۔ گرفتاریوں اور گولی چلنے کے واقعات پھر رونما ہونے لگے۔

مہاتما گاندھی دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے سے پہلے ہندو مسلم اتحاد پر زور دینا چاہتے تھے۔ لیکن آپ کو اپنے مقصد میں زیادہ کامیابی نہ ہو سکی۔ ورکنگ کمیٹی نے پاس کیا کہ کانگرس کی پوزیشن کے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے مہاتما جی کو کانگرس کے واحد نمایندہ کی حیثیت میں گول میز کانفرنس میں ضرور شامل ہونا چاہیئے۔ خواہ ہندو مسلم سمجھوتہ کامیاب ہو یا نہ ہو نہایت ناخوشگوار حالات میں کانگرس نے کانفرنس میں شرکت کرنے کا فیصلہ کیا۔

مہاتما جی نے گول میز کانفرنس میں شمولیت اختیار کی۔ کانگرس کا نظریہ برطانیہ کے سامنے رکھا۔ لیکن جن ارادوں کو لیکر آپ نے انگلستان کا رُخ کیا تھا۔ اُن کی قدر نہ کی گئی۔ چنانچہ نہایت، مایوس کن حالات میں آپ اپنے وطن

کو واپس آ گئے۔

آتے ہی ہندوستان میں کی گئی گاندھی اردن معاہدہ کی خلاف ورزیوں کے متعلق وائسرائے سے خط و کتابت کی۔ لیکن مایوسی کے سوا کچھ جواب نہ ملا۔ نئے وائسرائے بہادر نے تواب کی بار کانگرس تحریک کو دبا دینے کا فیصلہ کیا ہوا تھا چنانچہ ۴ر جنوری ۱۹۳۲ء کے روز ایک آرڈینینس کے ذریعہ تمام کانگرس کمیٹیاں نوجوان بھارت سبھائیں و دیگر سیاسی جماعتوں کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا مہاتما گاندھی کو گرفتار کر لیا گیا اور اس کے بعد دیگر لیڈروں کو بھی جیل میں بند کر دیا گیا۔

اس دفعہ سول نافرمانی کی دعوت حکومت کی طرف سے دی گئی تھی۔ کانگرس نے ہزار ہا مرد۔ عورتیں اور بچے جیل میں بھیجے۔

ہر قسم کی قربانیاں کیں ملک نے کانگرس کی صدا کی پوری پوری قدر کی۔ لیکن اب کی بار بھی مہاتما جی نے یکایک چھ ہفتہ کے لئے سول نافرمانی بند کر دینے کا فیصلہ کر دیا۔

ناظرین نے دیکھا ہوگا۔ کہ کس طرح کانگرس ایک نیم سرکاری جماعت کی حیثیت میں پیدا ہوئی۔ اس کے ابتدائی ایام کس طرح فرمانبرداری اور برطانیہ کی اطاعت گذاری میں گزرے اور آخر کس طرح اس مرحلہ پر پہنچ گئی کہ حکومت سے کئی ٹکریں لیں لیکن اپنے مطالبات کو چند نہایت ضروری اصلاحات سے مکمل آزادی تک پہنچایا اور ان کے حصول کی خاطر نہ صرف ہندوستان کے لوگوں نے اس کی خاطر زبردست سے زبردست قربانی کی۔ بلکہ وقت آنے پر اس کی عزت کے

کے لئے تن من اور دھن نچھاور کر دیجئے ۔

(۵)

اس وقت تک تو کانگرس انتہا تک پہنچنے کے باوجود بھی ان لیڈروں کے ہاتھ میں تھی جو جنگ کو شروع کر کے صلح تک ختم کر دیتے تھے ۔ لیکن دن بدن یہ ادارہ اُن لوگوں کے ہاتھ آتا گیا جو مکمل آزادی کے سوا برطانیہ کے ساتھ کسی قسم کے سمجھوتہ پر بھی رضامند نہ تھے ۔

ہندوستان میں مقرر کئے گئے متعدد کمیشنوں اور کمیٹیوں کی سفارشات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ۱۹۳۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مرتب کیا ۔ جس کی پہلی قسط ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں یکم اپریل ۱۹۳۷ سے رائج ہوئی تھی ۔ اس وقت کانگرس میں دو گروپ پیدا ہو گئے تھے ۔ ایک پارٹی چاہتی تھی کہ اس نئے آئین کی پہلی قسط جسے صوبجاتی خود مختاری یعنی پراونشل آٹو نومی کہا جاتا ہے قطعی طور پر رد کر دیا جائے ۔ اور اس سے قطعی بے تعلقی کا اظہار کیا جائے ۔ لیکن کانگرس کے پُرانے لیڈروں میں سے بہت سے ایسے لوگ تھے جو چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی صورت میں اس آئین کا تجربہ کیا جائے ۔ کانگرس کے اندر ایک زبردست مخالفت پیدا ہو جانے کا امکان تھا پنڈت جواہرلال نہرو اُن لیڈروں میں سے تھے ۔ جن کی آزادانہ رائے اس آئین کے خلاف تھی ۔ آپ نے ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ کانگرس کے موقعہ پر اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ نیا آئین خواہ وہ بہشت کے تاج کے ہمراہ بھی بھیجا جائے تو اُسے منظور نہ کرنا چاہیئے ۔

صدر کانگریس کی رائے تو اہلِ ملک نے دیکھ لی تھی۔ لیکن دوسرے عقیدہ کے لوگ بھی برابر اپنے دلائل پر مضبوط تھے۔

اِن اختلافات کے باوجود بھی کانگریس نے اپنی طاقت کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے صوبجاتی انتخابات لڑنے کا فیصلہ کیا۔ انتخاب لڑے گئے۔ صدر کانگریس نے ملک بھر میں ہوائی دورے کئے۔ کانگریس کا پیغام گھر گھر میں پہنچایا گیا مخالف طاقتوں نے پورے زور سے کانگریس کی مخالفت کی لیکن اس مخالفت کے پہاڑوں کے باوجود بھی کانگریس گیارہ میں سے چھ صوبوں میں اکثریت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

اِن عجیب وغریب نتائج کی روشنی میں دائیں بازو کے پرانے لیڈر اس بات پر زور دینے لگے کہ کانگریس کو وزارتیں سنبھال کر چھ صوبوں کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لینی چاہیئے۔ اس کے برعکس بائیں بازو کے رہنماؤں کا یہ عقیدہ تھا کہ عہدوں کا قبول کر لینا ملک کے مفاد کے منافی ہے کانگریس سوشلسٹ پارٹی۔ کسان سبھا و دیگر انتہاپسند جماعتوں کے علاوہ پنڈت جواہر لال نہرو بھی اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ کانگریس کے چھ صوبوں کی اکثریتیں ایسے حالات رونما کر دیں کہ گورنروں کو اسمبلیاں معطل کرنے کے سوائے اور کوئی چارہ نظر نہ آئے۔ اخبارات میں تو یہ بھی شائع ہو گیا تھا کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے اس معاملے پر استعفے کی دھمکی بھی دے دی تھی۔ کہ اگر کانگریس نے وزارتیں قبول کر لیں تو وہ صدارت سے مستعفی ہو جائیں گے۔ دوسری طرف شری مت ستیہ مورتی جو عہدے قبول کرنے کے پورے حق میں تھے۔ آپ نے بھی اخبارات میں اعلان

شائع کروادیا کہ اگر کانگریس نے آپ کی مرضی کے برعکس فیصلہ کیا تو وہ براہِ راست ملک کے سامنے اپیل کرینگے۔

اغلب تھا کہ کانگریس میں زبردست اختلافات رونما ہو کر اس کی کمزوری کا باعث بن جائے جبکہ مہاتما گاندھی ابھی تک جن کی رائے کا احترام بائیں بازو کے لیڈر بھی کرتے تھے۔ آپ نے مداخلت کی ۔

دہلی میں کانگریس کی سپیشل کانونشن بلائی گئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو صدر کانگریس نے اس کانونشن کی بھی صدارت کی۔ آپ نے بین الاقوامی حالات کی روشنی میں کانگریس سے اپیل کی کہ اس معاملہ کو بغیر کسی اختلاف کے سلجھایا جائے اور اکثریت کے فیصلہ پر اقلیت سر جھکا دے۔

مہاتما گاندھی کانونشن کے سامنے تجویز رکھی کہ اگر صوبوں کے گورنر وزراء کی آئے دن کی حکمت عملی میں مداخلت نہ کرنے کا وعدہ کریں۔ تو عہدے منظور کر لیئے جائیں۔ اختلاف کے ان حالات میں یہ ایک بہترین حل تھا۔ چنانچہ ہر دو پارٹیوں نے اسے قبول کر لیا۔

صوبوں کے گورنروں کے علاوہ حضور وائسرائے بہادر نے ایک اعلان میں کانگریس کو یقین دلایا کہ حتی الوسع وزراء کی آئے دن کی حکمت عملی میں مداخلت کرنے سے احتراز کیا جائے گا۔

چنانچہ چھ صوبوں میں کانگریسی وزارتیں بنائی گئیں اور بعد میں صوبہ سرحد اور صوبہ آسام میں بھی کانگریس وزارت بن گئی ۔ وہ لوگ جو کل تک قید خانوں میں بند تھے اور جنہوں نے اپنی پیٹھوں پر پولیس کی لاٹھیاں کھائیں

تھیں۔ آج وزارتوں کی کرسیوں کو رونق بخش رہے ہیں۔

جس خوبی سے ان لوگوں نے حکومت کا نقشہ عوام کے سامنے پیش کیا اخلاق کی جس بلندی کے ساتھ ہندوستان کے آٹھ صوبوں نے کانگرس کی ہر لعزیز حکومتوں کا تجربہ کیا شاید اس کو مدت تک عوام کو فراموش نہیں ہو سکتا جب تک کہ ملک مکمل طور پر آزاد نہیں ہو جاتا۔

پراچین زمانے کی کہانیاں لوگوں نے سنی ہوئی تھیں کہ کس طرح پارسا راجے مہاراجے رعایا کی تکلیفوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ حکایتیں پھر دہرائی جارہی ہیں۔ ان وزارتوں کے عہد میں ایسی مثالیں موجود ہیں جبکہ رفاہِ عام کی غرض سے پرانے زمانے کی طرح وزیراعظموں نے خفیہ بھیس میں اپنے صوبوں کے دورے کئے اور ان عظیم الشان عہدوں کو زیب کرتے ہوئے بھی پولیس کے سپاہیوں اور تھانیداروں کی گالیاں سنیں حقیقت تو یہی ہے کہ اخلاق کی بلندی یہی ہے۔ جس نے آج کانگرس کو ایک عظیم الشان جماعت بنا دیا ہے۔ اور جب تک دریاؤں کی روانیاں جاری رہیں گی جب تک مطلع آسمان پر آفتاب چمکتا رہے گا یہ جماعت مٹنے کو نہیں آسکتی۔

کئی مثالیں ایسی موجود ہیں، جبکہ اس دور میں کانگرسی وزراء نے اپنے بلند اصول کی خاطر اپنی کرسیوں کو ٹھکرا دیا۔ گورنروں کو مجبور کر دیا کہ وزرا کے فیصلہ کا احترام کریں۔ ہزاروں روپیہ ماہوار کی پریکٹس چھوڑ کر ان دیش بھگتوں نے قلیل سی رقمیں بطور تنخواہ لے کر کسانوں اور مزدوروں کی بہتری پر صوبہ کی اچھی خاصی آمدنی کو خرچ کیا۔ شراب جیسی لعنت کو دور کرنے میں دلیری سے انہوں نے

قسم اٹھایا۔ ملک سے تحسین حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے دو حصے تھے۔ پہلا حصہ یعنی پراونشل آٹونومی تو ملک میں جاری ہو چکا تھا۔ لیکن اس آئین کا بدترین حصہ یعنی فیڈریشن ابھی نافذ نہ ہوئی تھی۔ اس سوال پر پھر کانگریس کے دو بازوؤں میں نفاق پیدا ہو جانے کے امکان بہت روشن تھے۔ انتہا پسند اور نوجوان جماعتوں کا قطعی فیصلہ تھا کہ جس بھی صورت میں فیڈریشن نافذ کرنے کی کوشش کیجائے اس کی مخالفت ہونی چاہیئے۔

گو موجودہ فیڈرل سکیم کی مخالفت میں تو سارے ہی لیڈر ہر ایک سے بڑھ چڑھکر تھے۔ تاہم کانگریس کے پرانے بزرگوں کا خیال تھا کہ اگر چند اہم تبدیلیوں کے بعد فیڈریشن نافذ کی جائے تو کانگریس کو منظور کر لینی چاہیئے۔ ڈر تھا کہ اب کی بار پھر مخالفت بڑھکر کانگریس کو کمزور نہ بنا دے۔

یہ وہ ایام تھے جبکہ پنڈت جواہر لال دو سال کانگریس کی صدارت کو زینت بخشنے کے بعد سبکدوش ہونے والے تھے اور بنگال کے مشہور نوجوان رہنما بابو سبھاش چندر بوس کو آپ کی بے انتہا قربانیوں اور محب الوطنی کے صلے میں ملک نے متفقہ طور پر صدر منتخب کر لیا تھا۔ کانگریس کا یہ عظیم الشان صدر فیڈریشن کا اس قدر سخت مخالف تھا کہ آپ کی موجودگی میں اس کی منظوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

اسی نوجوان رہنما کے سوانح حیات اس کتاب کے مضمون کا موضوع ہیں۔ کانگریس کا یہی قائد اعظم بعد ازاں باغی صدر کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔

اگلے چند ابواب میں آپ کی زندگی کے حالات قلمبند کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ قربانی کے یہ مجسمہ اگر ایک وقت دنیا کی سب سے بڑی سلطنت سے بغاوت کرنے سے نہ ٹلے تو وطن کی بہتری کے پیش نظر اسپنے ہموطن رہنماؤں سے بھی بغاوت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

باب دوم

صوبۂ بنگال اور قومی جدوجہد

ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں جن جن لوگوں [illegible] جن جن صوبوں نے حصہ لیا۔ بنگال اُن میں سے ہمیشہ بڑھ چڑھ کر رہا ہے۔ نہ صرف اس صوبہ نے ہندوستان کی واحد قومی جماعت انڈین نیشنل کانگریس کو مضبوط بنانے میں سب سے زیادہ قربانی کی۔ بلکہ جب کبھی بھارت ورش کی آزادی کا سوال اٹھا ان لوگوں نے نتائج سے بے نیاز ہو کر اپنے مادی مستقبل کو خطرہ میں ڈال کر نہایت دلیری اور شجاعت کے ساتھ اپنا فرض ادا کیا۔

بھارت ورش کے تمام طول و عرض میں بنگال ہی ایک ایسا صوبہ ہے جہاں سب سے پہلے انگریز نے اپنا کاروبار شروع کیا۔ [illegible] جہاں سب سے پہلے مغربی تعلیم نے اپنے تاثرات دکھلائے۔ ان ہی لوگوں [illegible] سے پہلے غلامی کے بوجھ کو محسوس کیا اور اپنی عزت کو کچلتا ہوا د[illegible]

پیغام پہنچایا۔ اس صوبہ کے باشندوں کو بجا طور پر قومی جد و جہد کا منبع کہا جا سکتا ہے۔ ان ہی لوگوں نے سب سے پہلے ملک کو آزاد رہنے کی تلقین کی
بیرونی ڈیل ڈول اور شکل و شباہت میں یہ لوگ نہایت سادہ لوح خاموش۔ شریف اور بھولے بھالے نظر آتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ لوگ جذبات کے انگارے ثابت ہوئے ہیں۔ تھوڑے سے اشتعال سے ہی وطن کی خاطر جلتی آگ میں کود نے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ملک کی آواز پر بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی نہیں ٹلتے۔ فوراً جان کی بازی لگا دیتے ہیں جس بھی شخص کو ایک دفعہ لیڈر چن لیتے ہیں اس کے ہر جائز و ناجائز حکم کو آخری دم تک مانتے رہتے ہیں۔ یہ حتا غدار اور ذہین لوگ نہایت بے خوفی کے ساتھ خوفناک سے خوفناک تشدد کرنے پر فوراً آمادہ ہو جاتے ہیں

سر جان اینڈرسن صوبہ بنگال کے گورنر نے صحیح طور پر ایک دفعہ تسلیم کیا تھا کہ دہشت زدگی بنگالی قوم کی مادرِ وطن کے لئے بے انتہا محبت کا بے بدل اظہار ہے۔ تقسیم بنگال اور اس کے بعد جتنی بھی تحریکیں ملک میں چلیں۔ بنگال کے لوگوں کا نمایاں حصہ اس میں رہا۔ اگر ملک کی انفرادی دہشت پسندی کی جملہ تحریکوں پر نگاہ ڈالی جائے تو اکثر تحریکیں ایسی نظر آئیں گی جن کو بنگالیوں سے ہی شروع کیا۔ اور انتہا تک پہنچایا۔ چاندنی چوک دہلی میں لارڈ ہارڈنگ پر بم کرنے سے لے کر سلسلہ ۱۹۳۰ء کے مقدمہ سازشوں تک ہر ایک مقدمہ میں بنگالی ہی نمایاں طور پر نظر آتے رہے ہے۔

یہ تحریکیں ملک کے مفاد کے لئے بہترین ثابت ہو ئیں یا نہیں۔ اس پر

بحث کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ان لوگوں کی نیت ذاتی نہ تھی بلکہ حب الوطنی کا جذبہ اُن میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

اِسی طرح اگر کانگرس کی پُر امن مہموں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو بھی بنگال کی قربانی کسی سے کم نظر نہیں آتی۔ ملک اس صوبہ کا خاص طور پر شکر گذار ہے کہ جہاں ان لوگوں نے دلیری کے ساتھ سپاہی کی طرح ہر وقت اپنی حب الوطنی کا اظہار کیا۔ وہاں اس صوبہ نے کانگرس کو ایسے ایسے مدبّر لیڈر بھی دیئے۔ جنہوں نے ملک کی سیاسی رفتار کو کافی تیزی تک پہنچایا۔ بپن چندر پال۔ آربندو گھوش۔ دیش بندھو سی آر داس۔ جے۔ ایم۔ سین گپتا اور سب سے اخیر نیتاجی سبھاش چندر بوس یہ چند ایک ایسی شاندار اور عظیم الشان شخصیتیں ہیں کہ جب کبھی ملک کی سیاسی تحریکوں کا ذکر کیا جائے گا۔ اور جب کبھی آنے والے تواریخ دان آزادیٔ ہند کی تواریخ لکھیں گے تو ہندوستانی سیاست کے ان چمکتے ستاروں کو صفِ اوّل میں جگہ دیئے بغیر چل نہ سکینگے۔

یہ چند شاندار روائتیں اور بے نظیر حکایتیں اس سرزمین کی ہیں۔ جہاں پر سبھاش چندر بوس نے پرورش پائی ٭

(۲)

پیدائش اور خاندان

وطن کی سوئی ہوئی قسمت نے شاید کروٹ لی ہو گی۔ جبکہ ۲۳ جنوری ۱۸۹۷ء کو صوبہ اڈیسہ کے ایک گاؤں کوڈالیہ میں آپ کا جنم ہوا۔ آپ کا اصلی وطن بنگال ہے لیکن آپ کے والد بزرگوار رائے بہادر جانکی ناتھ بوس اپنی وکالت کی پریکٹس کے سلسلے میں کچھ عرصہ سے صوبہ اڑیسہ میں آباد تھے۔ اپنے حسن لیاقت اور قانون دانی میں مہارت کی وجہ سے کافی عرصہ کٹک کے سرکاری وکیل رہ چکے تھے۔ اس کے علاوہ آپ اس علاقہ میں بارسوخ اور ہردلعزیز تھے۔ کہ نہ صرف بار ایسوسی ایشن کے لیڈر رہے بلکہ بہت دیر تک میونسپل کمیٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کٹک کی صدارت کا اعزاز بھی آپ کو حاصل رہا۔

آپ کی والدہ محترمہ سشری متی پاربتی دیوی اعلیٰ درجہ کی شرافت اور سادگی کی مالکہ تھیں۔ اپنے بچوں کی پرورش میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیتیں اور حتی الوسع آپ کی کوشش یہی ہوتی کہ بچوں کے ذہن میں شرافت اور سادگی بھری جائے۔

آپ کے بڑے بھائی سشری یت سرت چندر بوس بھی ایک ہونہار بچے تھے۔ آج کل آپ بنگال کے مشہور و معروف بیرسٹروں میں سے ہیں اور بنگال کانگرس کی اسمبلی پارٹی کے لیڈر ہیں۔ شروع ہی سے آپ سبھاش بابو سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ نہ صرف ایام طفولیت میں کئی واقعات ایسے آئے جبکہ ان دونوں بھائیوں نے کئی قسم کی مشکلات کا سامنا مل کر کیا۔ بلکہ ابھی ابھی،

تری پوری کے صدارتی انتخاب اور اس کے بعد جو واقعات رونما ہوئے سرت بابو ہی سبھاش کے سب سے زیادہ امدادی ثابت ہوئے۔

اس قسم کا ذہین خاندان تھا۔ جس میں سبھاش چندر بوس نے پیدائش لی۔ امیر خاندان تھا۔ حکومت تک رسائی بھی۔ بچے کی پیدائش پر بہت خوشی کی گئی۔ دوستوں کو دعوتیں دی گئیں۔ خویش و اقارب کو تحائف بھیجے گئے۔ افسروں کو پارٹیاں دیں اور غربا میں خیرات تقسیم کی گئی۔ مستقبل کی اُمیدیں اس نووارد بچہ سے وابستہ ہونے لگیں۔ توقع تھی کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے حضور ملک معظم کی حکومت میں کچھ عہدہ پالیگا۔ لیکن یہ خواب تھے جن کی تعبیر کبھی نہ ہو سکی۔ بابو جانکی داس بوس کو شاید یہ معلوم نہ تھا کہ جس حکومت کے وہ ایک سرکردہ رکن سمجھے جاتے تھے اور جس حکومت کی خدمت کے صلہ میں اپنے ہونہار بچے کا مستقبل بنانا چاہتے تھے۔ اُن کا یہ بلند بخت بچہ اپنی جوانی میں پہنچتے ہی نہ صرف اس حکومت کا سب سے بڑا دشمن ثابت ہوگا۔ بلکہ دنیا کی اس سب سے بڑی سلطنت کو لوٹنے کا کھلے بندوں اعلان کر کے اس سے ٹکرا جائیگا اگر حکومت کو ابتدا سے یہ پتہ چل جاتا کہ جانکی ناتھ بوس کا یہ لڑکا شہزادہ انگلستان (پرنس آف ویلز) کی آمد پر کلکتہ ایسے مشہور تجارتی شہر کو ایک سنسان جنگل میں تبدیل کر دے گا۔ اگر اُسے شروع میں معلوم ہو جاتا کہ جوانی میں پہنچتے ہی یہ بچہ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ارون اور لارڈ ولنگڈن کی حکمت عملی کے لئے باعث عذاب بن کر حکومت کی من مانی کارروائیوں کے سامنے ایک چٹان بن جائے گا۔ تو یقیناً بوس خاندان کو حکومت کی تمام مہربانیوں سے یکقلم محروم کر دیا جاتا۔

ننھے کا رونا اس وقت شائد ماں کو آزردہ بناتا ہو۔ اور اس کا ہنسا والدین کی خوشی کا باعث بنتا ہو لیکن کسی کو اس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ ننھے کے آنسوؤں میں دیش کی تقدیر کے آنسو مضمر ہیں اور اس کی خوشی میں ہی وطن کی قسمت کو تسکین مل سکتی ہے۔ امیروں کا بچہ تھا بس زبردست نازبرداریوں کے درمیان اس نے پرورش پائی۔

(۳)

تعلیم

موجودہ نظام سوسائٹی کی تشکیل کچھ ایسی بن چکی ہے۔ اور اس کے اقتصادی نظام میں سرمایہ کی تقسیم کچھ اس طرح پہ ہو چکی ہے کہ ایک طرف جہاں غربت انتہا پر پہنچ رہی ہے۔ وہاں متوسط درجہ کے ہاتھ سے روپیہ نکل کر بڑے بڑے کارخانہ داروں اور زمین داروں کے گرد جمع ہوتا جارہا ہے ایک طرف تو کسان اور غریب کے لڑکے کے لئے تعلیم کا کوئی انتظام موجود نہیں بچپن میں ہی بیچاروں کو پیٹ کی خاطر پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ دوسری طرف امیروں کے لڑکے اپنی خوشنودئ طبع کے لئے ہزار ہا روپیہ پانی کی طرح بہا دینے میں ذرا دریغ نہیں کرتے۔ ان کے لئے سکول کالج اور یونیورسٹیاں موجود ہیں بچپن میں ہی ان کو ایسے تعلیمی اداروں میں داخل کرایا جاتا ہے جو عیش پرستی اور فیشن پرستی کے اڈے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں نے ملک میں طریقۂ تعلیم رائج ہی

اس شکل میں کیا ہوا ہے کہ امیروں کے عام طور پر بگڑے ہوئے لڑکوں کے لیے تو تعلیم کے بہت وسیع انتظام موجود ہیں۔ لیکن ملک کے عام بچوں خواہ وہ کتنے ہی ذہین کیوں نہ ہوں ان کے واسطے پرائمری تعلیم کا انتظام بھی نہیں ہے۔ کیتنی ہی بدبختی ہے اس وطن کی جہاں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بچے ایسے موجود ہیں جن کو اگر باقاعدہ تعلیم ملتی تو قوم کا ایک بہترین سرمایہ ثابت ہو سکتے۔ لیکن اس دولت کی غیر موجودگی میں جاہلانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کی خداداد ذہانت معمولی معاملات کو سمجھانے کے لئے ہی مخصوص رہ جاتی ہے یہ صرف ہمارے حکمرانوں کے اس طریقۂ تعلیم کی ہی مہربانی ہے کہ ہندوستان میں کوئی مثال بھی ایسی نہیں ملتی جبکہ کسان کی جھونپڑی سے نکلنے والے بچے نے بڑا ہو کر "وائٹ ہاؤس" کو جلوہ افروز کیا ہو یا کسی مزدور کے گھر میں پرورش پاکر ملک کی سیاسی۔ اقتصادی یا معاشرتی زندگی کو روشن کیا ہو۔

سبھاش بابو بھی ایک سرمایہ دار سرکاری وکیل کے لڑکے تھے۔ اس لئے رواج کے مطابق ہی انہیں بھی ایک پروٹسٹنٹ یوروپین سکول میں داخل کرایا گیا۔ جہاں شروع سے ہی انگریزی پڑھائی جاتی ہے۔ ابتدائی تعلیم کے سات برس اس سکول میں گزارنے کے بعد آپ کو ریونشا کالجیٹ سکول میں داخل کرایا گیا۔ جہاں سے انٹرنس کا امتحان آپ نے نہایت شان سے پاس کیا اور تمام یونیورسٹی میں دوسرے درجہ پر رہے۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ امیر سکولوں میں پڑھنے والے امیروں کے لڑکے عموماً محنت سے جی چراتے ہیں اور اپنی تمام تر توجہ نفسی راحت اور عیش

پرستی میں صرف کر دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی علیحٰدہ سکولوں میں تعلیم پانے والے طالب علموں کے لئے تعلیمی میدانوں میں چمکنے کے بہت کم مواقع آنے دیتی ہیں۔ لیکن ہونے والے قوم کے رہنما سبھاش بابو اپنی محنت اور قابلیت کی وجہ سے نہ صرف ہر جماعت میں نہایت شان سے پاس ہوتے رہے بلکہ ہر دو سکولوں میں طالب علموں کے ہر دلعزیز دوست اور استاد صاحبان کے پیارے شاگرد بنے رہے۔

انٹرنس کا امتحان پاس کر لینے کے بعد آپ پریذیڈنسی کالج کلکتہ میں داخل ہو گئے بزرگوں نے بالکل بجا فرمایا ہے۔ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" جہاں موجودہ سوسائٹی کا چودہ برس کا لڑکا کمسن بچوں میں شمار کیا جاتا ہے کسی مہذب سوسائٹی یا مجلس میں بات تک کرنا نہیں جانتا۔ ماسوائے والدین کی اندھا دھند تقلید کے اُسے اپنی کوئی سمجھ نہیں ہوتی۔ وہاں ہمارے سبھاش اس کمسن عمر میں دنیا کی رنگینیاں اور دلفریبیوں کو عارضی سمجھ کر اس سے دل ہٹانے لگے۔ دنیا سے اُداس ہو گئے۔ عاقبت کی فلاسفی معرفت کی باتوں اور حق کی تلاش میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ راما کرشنا مشن کے پیشوا سوامی وویکانند کی رہنمائی میں اس مشن کا گہرا مطالعہ شروع کر دیا۔ کالج کے لڑکوں کو ساتھ چلا کر اُن کے ساتھ گھنٹوں کسی تارک الدنیا کی طرح تبادلہ خیال کرتے جہاں کالج کے دوسرے ہمر ساتھی کسی فیشن کی خوبی۔ یا کسی سینما ایکٹرس کی خوبصورتی کے مسئلے کو زیر بحث رکھتے۔ وہاں سبھاش بابو اکیلے بیٹھے یا ساتھیوں کے ساتھ معرفت اور حق کی بحث میں مصروف رہتے اس کی گہرائیوں ہمہ

پہنچنے کی کوشش کرتے اور الیشور بھگتی کی طرف راغب رہتے۔
آپ کی عجیب و غریب عادات دیکھ کر نہ صرف کالج کے پروفیسر بلکہ گرد و نواح کے سب لوگ انہیں محبت اور عزت بھری نگاہوں سے دیکھتے اور اس ہونہار نوجوان کی فرشتہ سیرت کے شیدائی بنتے جاتے۔

روحانی گورو کی تلاش

آپ کی عمر ابھی مشکل سے چودہ برس کی ہوئی ہوگی۔ جبکہ ۱۹۱۰ء میں دنیاوی زندگی اور عارضی خوشنمائی سے آپ کا جی اس قدر اکتا گیا کہ اپنے گھر کو خیرباد کہہ کر تلاش حق کی خاطر شہر سے دور جنگلوں میں بھاگ جانے کا ارادہ کر لیا۔ چاہتے تھے کہ کوئی روحانی گورو مل جائے جس کی رہبری میں زندگی کی گھڑیاں کسی نیک کام میں صرف ہو سکیں اور دل کو شانتی نصیب ہو سکے۔ بس کیا تھا۔ یہ ارس کا ہنگامی بچہ مہاتما بدھ کی طرح دنیاوی مادہ پرستی کو قطعی طور پر چھوڑ کر شاہانہ آسائشوں کو خیرباد کہہ کر گھر سے نکل جاتا ہے۔
خیال فرمائیے اس کمسن عمر میں جبکہ ہندوستانی بچے گلی کوچوں میں پتنگ اڑاتے پھرتے ہیں اپنی ہر جائز و ناجائز ضرورت کو ضد یا رو کر ماں باپ سے منواتے ہیں۔ گھر سے ایک آدھ میل کے فاصلہ پر بھی کھیلنے کودنے نکل جائیں تو خود بھی ڈر جاتے ہیں۔ اور والدین بھی گھبرائے ہوتے ہیں۔ اس عمر میں پرمیشور کی تلاش نے ایک ایسی راہ اختیار کر لی جو آج تک ایسی حالت میں کسی نے نہ کی تھی۔

جن والدین کا ہونہار فرزند اُن کو مطلع کئے بغیر دُور جنگلوں میں نکل جائے جہاں سے واپس آنے کی توقع نہ ہو۔ اُن کے غم کی انتہا کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں۔ جن کے جگر بیٹوں کی جدائی سے چھلنی ہو چکے ہوں۔ بس کیا تھا۔ گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ کئی یوم تک گھر کی باقاعدگی اُجڑی رہی۔

ہمالہ کی وادیوں میں نکل گئے۔ گورو کی تلاش میں متواتر راتیں گھنے جنگلات میں گھاس اور کانٹوں کے بستر پر سو کر کاٹ دیں۔ مسلسل گھنٹے پہاڑوں کی چھاؤں پر بیٹھ کر ایشور کی یاد میں گزار دیئے۔ جب دنیا والے آرام سے اپنے گھروں میں سوئے ہوئے ہوتے شانتی کے متلاشی سجاش بابو دریاؤں اور نالوں کی مہیب لہروں کے کنارے کسی پریمی کی طرح بیٹھے رہتے۔ عین آدھی رات کے وقت جبکہ شہروں میں، چور، ہرن یا بیمار کے سوا سب دنیا بستر راحت پر پڑ جاتی ہے۔ اور جنگلوں میں بھیانک جانور شکار کی تلاش میں اپنی غاروں سے باہر نکل آتے ہیں ان خطرناک فضاؤں میں جانکی ناتھ بوس کا یہ بیٹا سادھو کے بھیس میں اکیلا بے خوف و خطر پھرتا رہتا۔ بھارت درشن کی خوش قسمتی سمجھئے۔ آپکے تارک الدنیا ہونے کے بعد بھی آپ کے دل کو چین نہ آیا اور شانتی کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ آخر مایوس ہو کر پہاڑوں سے اُترے اور دریائے گنگا اور جمنا کے کنارے تیرتھ یاترا پر چل پڑے ناز و نعمت سے پلے ہوئے تھے۔ لہذا آپ کا نازک جسم اتنی تکلیفات برداشت نہ کر سکا۔ اور آپ بیمار پڑ گئے۔

کسی نے آپ کے والدین کو مطلع کیا۔ ماں باپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی فوراً لڑکے کو گھر لائے اور چھاتی سے لگایا۔ دوستوں اور ساتھیوں نے خوش آمدید

کہا اور تمام گھر والوں کو آپ کی واپسی پر اطمینان ہوا۔ کچھ عرصہ بستر پر پڑے رہے صحت ہوتے ہی آپ کو دوبارہ کالج میں داخل کروا دیا گیا۔ جہاں سے ایف اے کا امتحان آپ نے نہایت کامیابی سے پاس کر لیا۔ بھگتی کے پرانے خیالات کو چھوڑا اور خدمت خلق اور آزادیٔ وطن کو اپنا نقطۂ نگاہ بنایا۔

کالج سے اخراج

ایف۔ اے کے بعد اسی کالج کی گود میں بی۔ اے کی تعلیم بھی جاری کر دی۔ کالج ہذا میں دیگر یورپین سٹاف کے علاوہ ایک پروفیسر مسٹر سی۔ ایف۔ لاٹن بھی تھے۔ محکوم قوم پر حکمران قوم کی نظر عنایت کے قصے تو اس روز سے ہی چلے آ رہے ہیں۔ جس روز سے کہ انگریز تاجروں نے ہندوستانی نوابوں اور مہاراجوں کی باہمی پھوٹ کا فائدہ اٹھا کر کمپنی کی حکومت قائم کی لیکن غدر کی مایوس کن ناکامی کے بعد تو ہندوستانیوں کی جو اہمیت انگریز کے دل میں رہی وہ سیاست کے کسی طالب علم سے پوشیدہ نہیں۔ سینکڑوں مثالیں موجود ہیں جبکہ ہندوستانی رئیسوں کو گورے ٹامیوں کے بوٹ کی ٹھوکروں کا شکار ہونا پڑا۔ ٹکٹ خرچ کر کے ریلوے کے فسٹ یا سیکنڈ کلاس میں ان بدبختوں کا بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔

انیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستانیوں کی سیاسی بیداری کا احترام کرتے ہوئے حالات کچھ بہتر ہو چکے تھے لیکن ابھی بہت سے ایسے انگریز ہندوستان میں موجود تھے۔ جن کو شاید اپنے وطن میں گھاس کھودنے والے کی حیثیت

بھی حاصل نہ ہو۔ لیکن مہمانوازوں کی اس سرزمین پر حکومت کیسے [illegible] کبھی جائز و ناجائز باتیں کر جاتے تھے۔

مسٹر لاٹن ان لوگوں میں سے ایک تھے جو ابھی تک ہندوستانیوں کو ذلیل و حقیر قوم تصور کرتے تھے۔ پریذیڈنسی کالج کے پروفیسر تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حکمران قوم کے فرد تھے۔ اس فرعونیت میں پروفیسر صاحب کئی ایسی حرکات کر جاتے جو ہندوستانی طالب علموں کو بے حد ناگوار گزرتیں ایک دفعہ پروفیسر مذکور نے بی اے کے ایک لڑکے کو تھپڑ سے مارا۔ کالجوں میں اور خاص کر بی اے کے طالب علموں کو پیٹنا ایک نہایت ہی ناواجب فعل تھا۔ سبھاش بابو نے طلباء کی ایک میٹنگ بلائی اور فیصلہ کیا کہ کالج سے اس وقت تک ہڑتال کی جائے۔ جب تک کہ پروفیسر کے اس ناجائز فعل کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاتی تمام طالب علم ہڑتال میں شامل ہو گئے۔ کالج میں الو بولنے لگے۔ پریذیڈنسی کالج کے منتظمان نے دانشمندانہ قدم اٹھایا اور لڑکوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے میں ہی بہتری سمجھی۔ کالج دوبارہ کھل گیا لیکن مسٹر لاٹن اپنی عادات سے باز نہ آیا۔ چنانچہ اسی فرعونیت کے نشے میں ایک بار پھر اس نے ہندوستانیوں کی غیرت کو چیلنج کیا۔ ہندوستانی اخلاق اور اس کی عظمت کے متعلق کچھ بے جا الفاظ استعمال کئے۔ بنگال کے نوجوان جو شروع سے ہی انگارے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس بے عزتی کو کب برداشت کر سکتے تھے۔ چند سر پھرے طالب علموں نے مشورہ کیا اور کالج سے نکلتے ہی پروفیسر مذکور کو اچھی طرح سے پیٹا۔ سبھاش بابو اس سازش میں شامل نہ تھے۔ لیکن چونکہ طلباء کے لیڈر مانے جاتے تھے۔

چنانچہ کالج کی مینجنگ کمیٹی نے آپ کو ملزم گروانا اور بمع چند دیگر طلبار کے دو برس کے لئے یونیورسٹی سے خارج کروادیا۔

وطن پرستی کی راہ میں آپ کی یہ پہلی قربانی تھی۔ زندگی کے قیمتی دو سال ضائع کردینے منظور کر لئے۔ لیکن قومی عزت پر دھبہ نہ آنے دیا۔

اس وقت کس کو معلوم تھا کہ پریذیڈنسی کالج کلکتہ کا یہ چھوٹا سا لیڈر جو اپنے ساتھیوں کی رہنمائی کے الزام میں آج دو سال کے لئے کلکتہ یونیورسٹی سے نکالا جارہا ہے اپنے آنے والی زندگی میں اپنے ہموطنوں کی رہنمائی کے الزام میں انڈیمان جیل کی تاریک کوٹھڑیوں میں اپنی جوانی کی بہاروں کو خزاں میں تبدیل کرلے گا۔

آئی سی ایس میں کامیابی اور استعفےٰ

والدین بارسوخ تھے۔ انہوں نے کوشش کرنی چاہی کہ یونیورسٹی اس آرڈر کو واپس کرے۔ لیکن سبھاش بابو نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا اور بخوشی اس سزا کو بھگتا۔ وہ لوگ بڑے ہی شوربیر ہوا کرتے ہیں جو دی گئی سزا کو خوشی سے قبول کر لیتے ہیں دو سال گزر گئے۔ یونیورسٹی کے آرڈر کی میعاد ختم ہوگئی۔ پس آپ کو سکاٹش چرچ کالج کلکتہ میں داخل کرا دیا گیا۔ جہاں سے آپ نے آسانی کے ساتھ بی اے کا امتحان پاس کر لیا۔ آپ سیاسیات زندگی کے بڑے مشتاق تھے۔ فرجی ڈسپلن سے آپ کو بہت پیار تھا۔ ان دنوں اصلاحات [illegible] مگر [illegible] کچھ ایسی [illegible] ہندوستان [illegible]

رائج کر رہا تھا۔ جس سے ہندوستانیوں میں بڑھ رہی بیداری رُک سکے۔ چنانچہ کلکتہ یونیورسٹی کے طالب علموں کو ملٹری ٹریننگ دینے کے لئے یونیورسٹی انفنٹری بنائی گئی۔ جس میں سبھاش بابو نے نمایاں حصّہ لیا۔

امیروں کے لڑکے تھے۔ والدین کو ڈر تھا کہ کہیں دوبارہ اداسی اختیار کر کے کہیں دنیا کو خیرباد نہ کہہ جائے۔ امیر لوگ اپنے بچوں کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ آئی۔سی۔ایس کے مقابلہ کے لئے سبھاش کو لنڈن بھیجا جائے۔

انہوں نے شاید سوچا ہوگا کہ لنڈن کی خوبصورتیوں اور تہذیب مغرب کی دلاویزیوں کی لپیٹ میں آکر سبھاش بابو اپنے پرانے خیالات کو ترک کر دیں گے اور زندگی کے مادی پہلو کو اپنا لیں گے۔ لیکن والدین کے یہ خیالات پورے نہ ہو سکے۔

لنڈن میں آزادی کی فضاؤں کو دیکھ کر اپنے ملک کی طرف نگاہ ڈالی۔ غلامی اور آزادی میں فرق دیکھا۔ ایک طرف لوگ آزادی کے مزے اٹھاتے ہوئے نوجوان اپنے مستقبل اپنی مرضی کے مطابق اور آزادی سے بناتے ہوئے۔ نیچے مفت ملٹری تعلیم حاصل کرتے ہوئے دیکھے۔ لیکن دوسری طرف اپنے وطن کی خستہ حالی۔ نوجوانوں کی بے بسی۔ تہذیب۔ تمدن اور سول لبرٹی غیر قوم کے رحم پر۔ نوجوانوں کا نقطۂ نگاہ صرف سرکاری دفتروں کی معمولی سی ملازمت پر یہ سب فرق دیکھ کر سبھاش بابو کے اندر جذبۂ بیداری سا پیدا ہو گیا۔ دونوں ملکوں کا دل ہی دل میں مقابلہ کیا اور کچھ روشنی سی نظر آئی۔ چنانچہ لنڈن میں اپنے قیام کے

دوران میں عیش وعشرت اور فیشن پرستی میں نہ پھنسے - والدین کے روپیہ کو لنڈن کے ہوٹلوں اور وہاں کی بیسواؤں پر نہ اجاڑا - وہاں کی نوجوان خوبصورت اور فیشن ایبل لڑکیوں کے پھندے میں نہ پھنسے - جو ہندوستانی طالب علموں اور یہاں کے مہاراجوں کی جیبیں جھوٹی محبت کے وعدوں پر ہزاروں روپیہ کھینچ لیتی ہیں اور جو روپیہ پیسہ کے عوض میں اپنی عصمت کو سربازار بروقت فروخت کرنے کے لئے بُری طرح سے مشہور ہیں - بلکہ جتنا وقت بھی علم سیاست کے ایک طالب علم کی طرح لنڈن کی حکمت عملی اور برطانوی سامراج شاہی کا اچھی طرح سے مطالعہ کیا اور اپنے ملک کی آزادی کی تدابیر سوچنے کی کوشش کی - اس کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیم کو بھی نہایت محنت سے جاری رکھا اور ۱۸ ماہ کی قلیل مدت میں آئی سی - ایس کے امتحان کے علاوہ کیمبرج یونیورسٹی کی فلاسفی کا اعلیٰ درجہ کا امتحان پاس کر لیا اور ۱۹۲۰ء میں وطن عزیز کو مراجعت فرمائی

(۴)

سیاست میں دلچسپی

ولایت سے واپسی پر آئی سی - ایس کے جلیل عہدہ کی طرف دھیان نہ کیا - بلکہ ملک کی سیاسی اور اقتصادی بہتری پر ہمہ تن مصروف ہو گئے تمام حالات کا بغور مطالعہ کیا - ملک کے کونے کونے سے گرفتاریاں - لاٹھی چارج اور گولیاں چلنے کی خبریں آرہی تھیں - مزدوروں کی خستہ حالی اور کسانوں کی بے بسی حد سے زیادہ المناک صورت اختیار کر رہی تھی -

یورپ میں آزادی کی فضاؤں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آیا۔ غیرت نے جوش مارا۔ اور فوراً اپنے مستقبل کا فیصلہ کر لیا۔ آئی۔سی۔ایس سے مستعفی ہو نے اور ملک کی آزادی۔ وطن کی عزت اور قوم کی بے بسی کی طرف دھیان دیا حکومت کی کرسی کو چھوڑ کر جیل خانوں میں سڑنے کا ارادہ کیا۔

پڑھنے والے ذرا ٹھہر کر سوچیں کتنی عظیم الشان قربانی ہے۔ لکھدینا بھی آسان ہے اور پڑھکر بھول جانا بھی آسان ہے۔ لیکن موجودہ حکومت میں آئی سی ایس کو آزادی وطن کی خاطر لات مار دینا کوئی آسان کام نہیں۔ کروڑوں میں سے ایک مائی کا لعل ایسا نکلتا ہے جو اتنی عظیم قربانی کر سکے۔ اگر سبھاش بابو چاہتے تو تھوڑے ہی عرصہ میں کسی ضلع کے ڈپٹی کمشنر بن جاتے۔ حکومت کی مشینری کے ایک ضروری رکن بن کر حکمرانوں کی سی زندگی بسر کرتے۔ لیکن عشق وطن کے مریض کو یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ کروڑوں فرزندانِ وطن کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا دیکھ کر خود حکومت کے مزے اڑاتے۔ دنیاوی عیش و عشرت میں کب پھنس سکتے تھے۔ چنانچہ جنگ آزادی کا ایک سپاہی بننے کا ارادہ کر لیا۔

دورانِ طالب علمی میں تو روحانی گورو کی تلاش میں جنگلوں کی راہ لی تھی لیکن اب سیاسی گورو ڈھونڈنے کے لئے کانگرس کے مشہور نیتا مہاتما گاندھی جی کے پاس پہنچے۔ ملک کے دیگر لیڈروں سے بھی تبادلہ خیالات کیا اور ۱۹۲۱ء کے آخری ایام میں ملک کی سیاسیات میں سرگرم حصہ لینا شروع کر دیا۔ ان دنوں دیش بندھو سی۔آر۔داس بنگال کے سب سے محبوب اور بڑے لیڈر تسلیم کئے جاتے تھے۔ آپ کی قابلیت کی شہرت نہ صرف ہندوستان میں ہی پائی جاتی تھی۔ بلکہ

دُنیا کے مشہور و معروف قانون دانوں میں آپ کا شمار تھا۔ چنانچہ سبھاش بابو نے آپ کی رہنمائی میں کام کرنا شروع کیا اور دیش بندھو نے بخوشی انہیں اپنے اعتبار میں لے لیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں سبھاش آپ کے دایاں بازو سمجھے جانے لگے۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ مہاتما جی کی تحریکِ ترکِ موالات زوروں پر تھی۔ تمام ملک میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ جنگِ عظیم کے وقت حکومت نے اہلِ ہند کو یقین دلایا کہ جنگ کے اختتام پر اصلاحات نافذ کی جائیں گی۔ چنانچہ گاندھی جی اور دیگر کانگرسی لیڈروں نے زیادہ سے زیادہ انگریز کی امداد کی۔ ہندوستان سے لاکھوں روپیہ اکٹھے کر کے دیئے اور بے شمار انسان بھرتی کروائے اور کھلے بندوں انگریز کی مالی اور اخلاقی امداد کا اعلان کر دیا۔ یہاں تک کہ مندروں، مسجدوں اور گوردواروں میں پرارتھنائیں کی گئیں اور انگریز کی جیت کے لئے دعائیں مانگی گئیں چنانچہ جرمن کو زبردست شکست ہوئی اور انگریز فاتح رہا۔ ہندوستان کے لوگ جنہوں نے اپنے لیڈروں کی سفارش پر جنگ میں بے انتہا قربانیاں کیں ان کو کامل توقع تھی کہ ہندوستان کو آزادی کی منزل کے بہت نزدیک پہنچا دیا جائے گا۔ لیکن جب جنگ ختم ہوئی تو بجائے اصلاحات کے رولٹ ایکٹ کا نفاذ کر دیا گیا یعنی آزادی کی آواز کو دبا دینے کی غرض سے ایک نیا قانون بنایا گیا۔

اس ایکٹ کے کرشمے ہندوستان کی تاریخِ آزادی میں خاص طور پر یادرہیں گے جس کسی نوجوان نے بھی سر اٹھانے کی کوشش کی اور آزادئ وطن کے مطالبہ کی حرکت کی۔ انڈیمان کی کوٹھڑیوں میں اس کی اچھی طرح سے خاطر کی گئی۔ ملک کے طول و عرض میں گرفتاریاں شروع ہو گئیں

جلیانوالہ باغ امرت سر کا جارحانہ قتلِ عام اور اسی قسم دیگر واقعات نے حکومت کے خلاف ناراضگی کی لہریں پیدا کر دیں۔ رولٹ ایکٹ کی مخالفت میں مہاتما جی نے احتجاجی جلسے منعقد کرنے کا اعلان کر دیا۔ دوسرے شہروں کی طرح امرت سر کے جلیانوالہ باغ میں بھی ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو رولٹ ایکٹ کے خلاف احتجاج کے طور پر ایک پبلک جلسہ کے انعقاد کا اعلان کیا گیا۔ بیساکھی کا تہوار تھا۔ کم و بیش بیس ہزار مرد عورتیں بچے جلسہ گاہ میں جمع ہو گئے۔ جنرل ڈائر نے باغ کے واحد تنگ راستہ سے داخل ہو کر پُرامن جلسہ پر مشین گن کے چھ صد راؤنڈ چلائے سینکڑوں فرزندانِ وطن خون و خاک میں لتھڑ گئے۔ پنجاب میں مارشل لاء کا نفاذ کر دیا گیا۔ بے شمار قومی ورکروں کو جزائر انڈمان میں بند کر دیا گیا۔ امرتسر کے مشہور تاجروں اور معزز شہریوں کو وہاں کی گلیوں میں رینگ رینگ کر چلنے پر مجبور کر دیا گیا۔ اسی طرح ہندوستان کے دوسرے حصّوں میں بھی تشدد آمیز حوادث دیکھنے میں آئے۔
مہاتما جی اس ناراضگی کو عملی شکل دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ کلکتہ کانگرس کے سپیشل اجلاس میں جو کہ شیرِ پنجاب لالہ لاجپت رائے کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ اس میں آپ کا تحریک ترکِ موالات اور سول نافرمانی کا مشہور و معروف ریزولیوشن آیا۔ ولیش بندھو داس اور لالہ لاجپت رائے کی مخالفت کے باوجود کس طرح وہ ریزولیوشن ناگپور کانگرس میں پاس ہوا۔ یہ تمام حالات کسی پچھلے باب میں دیئے جا چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا لکھ دینا ضروری ہے۔ کہ اس تحریک نے جو کہ مہاتما جی نے خلافت تحریک کے ساتھ مل کر چلائی۔ حب الوطنی کا وہ جوش پیدا کر دیا کہ اپنے لیڈروں کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے وکیلوں نے وکالتیں چھوڑ دیں۔ ڈاکٹروں

نے دکانیں بند کردیں۔ طلبا نے کالج چھوڑ دئیے اور کئی جگہ کسانوں نے مالیہ ادا کرنے سے انکار کردیا۔ کئی طلبا نے خود بخود کالجوں کو خیرباد کہکر اس تحریک میں حصہ لیا اور کئی طلبا کو تحریک میں حصہ لینے کے جرم میں کالجوں سے نکال دیا۔

نیشنل کالج میں پرنسپل

اِن طلبا کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے کانگرس نے تمام چیدہ چیدہ صوبوں میں نیشنل کالج جاری کرنے کا فیصلہ کیا اور وہاں کا انتظام ان صوبوں کے مشہور لیڈروں کے سپرد کردیا۔ لاہور کے نیشنل کالج کا انتظام پنجاب کے مایۂ ناز لیڈر لالا لاجپت رائے کے سپرد کیا گیا۔ اِسی طرح بنگال کے نیشنل کالج کا انتظام دیش بندھو کے کندھوں پر ڈالا گیا۔ دیش بندھو پہلے تو یہ کہ ایک بڑے بھاری قانون دان ہونے کی وجہ سے اور دوسرے یہ کہ صوبہ کی سیاست کی باقاعدہ نگرانی میں ستے معروف رہنے کی وجہ سے اس ذمہ داری کو بنگال کے اس نئے لیڈر سبھاش چندر بوس کے سپرد کردیا اور آپ کو وہاں کا پرنسپل مقرر کردیا گیا۔

یہ بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ ملک میں چلائے گئے نیشنل کالجوں نے جن جن نوجوانوں کو تیار کیا نہ صرف وہ تعلیمی لحاظ سے بڑھ چڑھ کر رہے۔ بلکہ اس کے بعد چلائی گئی سیاسی تحاریک میں شاندار پارٹ ادا کرتے رہے۔

جن جذبات کو سبھاش بابو اپنے اندر رکھتے تھے۔ جو جو نئی امنگیں لے کر وہ یورپ کی سرزمین سے واپس آئے تھے اور جن جن ولولوں کو لے کر آپ نے آئی۔ سی۔ ایس۔ کو لات ماری۔ اب آپ کو ایک شاندار موقعہ ملا کہ بنگالی نوجوانوں

تک پہنچا سکیں۔ بنگال نیشنل کالج کے اس نوجوان پرنسپل نے حب الوطنی کے جذبہ کو بنگالی طالب علموں کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرنا شروع کر دیا۔ اور یورپ کے واقعات کی روشنی میں نوجوانوں کو اس قدر بیدار کرنا شروع کر دیا کہ نوجوان بنگال طبقہ کے دل پر آپ نے قبضہ کر لیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حکومت کی آنکھوں میں کھٹکنے لگ گئے۔ اب تو حکومت کسی موقعہ کی تلاش میں تھی کہ سبھاش بابو کی ان سرگرمیوں کو روکا جا سکے۔

پرنس آف ویلز کی آمد اور پہلی گرفتاری

چنانچہ وہ موقعہ جلدی ہی آگیا۔ اِن دنوں شہزادہ انگلستان (پرنس آف ویلز) ہندوستان میں تشریف لائے تھے۔ حکومت نے اعلان کیا کہ جو امداد ہندوستان کے باشندوں نے سلطنتِ برطانیہ کو جنگ کے موقعہ پر دی ہے اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے حضور شہنشاہ ملک معظم کی جگہ شہزادہ موصوف تشریف لائے ہیں چنانچہ آپ کا شاندار استقبال کرنا ہر ہندوستانی کا فرض ہے دوسری طرف کانگریس نے یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ جنگ سے پہلے ہندوستان سے کئے گئے وعدوں کو عملی جامہ نہیں پہنایا گیا اور اس کی جگہ رولٹ ایکٹ کا نفاذ کیا گیا ہے اور جلیانوالہ باغ اور ہچو قسم دیگر واقعات سے ہندوستانیوں کی اُمیدوں کو دبانے کی کوشش کی گئی ہے۔ لہذا یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ہندوستان کے لوگ برطانوی حکمت عملی سے مطمئن نہیں۔ شہزادہ کی تشریف آوری کے سلسلہ میں تمام مظاہروں کا بائیکاٹ کیا جائے۔ چنانچہ کانگریس نے کھلے بندوں عام ہڑتال اور شاہی دورہ کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔

تمام سیاسی جماعتیں جو کہ کانگرس کے ڈسپلن کے ساتھ وابستہ تھیں انہوں نے فیصلہ کیا کہ جہاں شہزادہ جائے سنسان بازار اور خاموش گلیاں اس کا استقبال کریں بس یہی ہُوا۔ جونہی شہزادہ نے بمبئی کے ساحل پر قدم رکھا تمام ملک میں ہڑتال ہوگئی۔ لوگوں نے کاروبار بند کر دئے۔ کالجوں اور سکولوں میں الو بولنے لگے۔ اس کے بعد جہاں شہزادہ جاتا۔ پُر رونق آبادیاں شہر خموشاں کا منظر پیش کرتیں سیاسی نوعیت کی یہ پہلی ہڑتال تھی جو تمام ہندوستان میں ایک ہی روز کی گئی۔ حکومت نے ان مظاہروں کو روکنے کی غرض سے سختی کا بھی استعمال کیا۔ جہاں شہزادہ جاتا وہاں پر لیڈروں کو گرفتار کر لیا جاتا۔

پروگرام کے مطابق شہزادہ نے ۲۵ دسمبر کو بنگال میں آنا تھا۔ حکومت نے نیشنل والنیٹرکور کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ خیال تھا کہ کلکتہ کا مشہور شہر شہزادہ کے استقبال میں حصہ لے سکیگا۔ لیکن حکومت کے یہ خواب غلط نکلے صوبہ کے ہر دلعزیز لیڈر نے اپنی گرفتاری کے وقت بنگال کے حریت پسندوں کو پیغام دیا۔ اور وطن کی خستہ حالت کا ذکر کرکے نوجوانوں سے ان الفاظ میں اپیل کی۔

"میں اپنی کلائی پر ہتھکڑیوں اور اپنے بدن پر لوہے کی زنجیروں کا بوجھ محسوس کرتا ہوں۔ یہ غلامی کا عتاب ہے۔ تمام ہندوستان ایک بڑا جیل خانہ ہے۔ کانگرس کا کام ضرور جاری رہنا چاہیئے۔ کیا ہُوا اگر میں پکڑا گیا یا چھوڑ دیا گیا۔ کیا فرق پڑتا ہے اگر میں مرجاؤں یا زندہ رہوں"۔

اس پیغام نے نوجوانوں کے خون کو متحرک کر دیا۔ سبھاش بابو جو دیش

بندھو کو اپنا سیاسی گورو تسلیم کرتے تھے۔ اُن پر اس پیغام نے بہت اثر کیا۔ چنانچہ آپ نے تمام نوجوانوں کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ گلیوں اور بازاروں میں جلسے منعقد کئے۔ لیڈر کی آواز کو قوم تک پہنچایا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہڑتال کے تمام انتظام مکمل کر دئیے۔

جونہی شہزادہ کلکتہ کی حدود میں داخل ہوا۔ بازاروں کو بند پایا اور مکانوں پہ لٹکتی ہوئی سیاہ جھنڈیوں نے عوام کی آواز کی ترجمانی کی۔ یعنی کلکتہ کے لوگوں نے سبھاش بابو کی رہنمائی میں ولیعہد برطانیہ کو ملک کے صحیح جذبات سے آگاہ کر دیا کہ ملک شاہی دورہ اور انگریزی حکمت عملی سے مطمئن نہیں۔

اس سلسلہ میں حکومت نے سبھاش چندر بوس کو گرفتار کر کے آٹھ ماہ کے لئے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند کر دیا۔

مخملی بچھونوں پر سونے والے اس امیرزادے کو جیل کی سوکھی روٹیوں اور کھردرے کمبلوں میں متواتر دو صد چالیس راتیں بسر کرنا پڑیں۔ بھلا ہو جتیندر ناتھ داس اور اس کی قربانی کا کہ جیل آج تو ایک کھلونا بن چکا ہے۔ حکومت کو سیاسی قیدیوں سے بہتر سلوک روا رکھنا پڑتا ہے۔ اس وقت کی جیل دوزخ سے کم نہ تھی۔ بڑے بڑے جوانمرد اور صحت آور لوگ بھی ایک بیمار اور کمزور آدمی کی حیثیت میں باہر آتے تھے۔ خیر آٹھ ماہ کی جیل کاٹنے کے بعد سبھاش جب باہر آئے۔ حکومت کی توقع کے خلاف جذبۂ آزادی آپ میں پہلے سے زیادہ بڑھ گیا۔ جس طرح آگ میں پڑ جانے اور چوٹیں کھانے پر سونا زیادہ چمکنا شروع ہو جاتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح بنگال کا یہ نوجوان شرارہ جیل سے واپسی پر اور بھی شوخی

سے کام کرنے لگا۔ یہاں تک کہ وطن پرستی اور قومیت آپ کے جسم کا لازمی جزو بن گئیں۔

بنگال میں سیلاب

جیل کی باشقت زندگی کے بعد ایک ایسے امیرزادے کو جو جیل کی تکالیف سے کبھی بھی واقف نہ تھا۔ اچھے خاصے عرصہ کے لئے آرام و چین کی ضرورت تھی۔ لیکن آپ کی یہ ایک زبردست خاصیت ہے کہ آپ خاموشی سے کبھی بیٹھ نہیں سکتے اور خاص کر جبکہ کوئی نہ کوئی پروگرام اور راہ عمل آپ کے سامنے موجود ہو۔ جیل سے جب واپس آئے تو شمالی بنگال کے لوگ ایک اور مصیبت میں مبتلا تھے۔ دریاؤں میں سیلاب آئے ہوئے تھے۔ ہزاروں مرد۔ عورتیں اور بچے اس کی لپیٹ میں آچکے تھے۔ لاکھوں انسان بے خانماں بن چکے تھے۔ سینکڑوں نوجوان افلاس کے مارے روٹی کے ایک ایک لقمہ کو ترس رہے تھے۔ اس مصیبت زدہ علاقوں سے متعدد خبریں ہر روز ایسی آتی تھیں جن کے سننے سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔ چنانچہ آپ نے کمر بستہ ہوکر اس طرف اقدام کیا۔ نوجوان دوستوں کو اپنے ساتھ ملاکر ان غریب الوطنوں کو مصائب سے رہائی دلانے کے لئے ایک ریلیف فنڈ جاری کیا۔ لاکھوں روپے جمع کرکے مصیبت زدگان کی خوراک۔ رہائش اور کپڑوں وغیرہ کا انتظام کیا۔ اگر بہار کے زلزلوں کے سلسلہ میں بابو راجندر پرشاد کا نام ایک فرشتہ کی طرح یاد رکھا جائے گا۔ تو بنگال کے سیلاب کے سلسلہ میں سبھاش بابو کا نام ہمیشہ غربا کے

دوست کی حیثیت میں یاد رکھا جائے گا۔ اس ریلیف فنڈ اور اس کے صحیح استعمال نے جہاں آپ کو بنگال کے عوام کے دلوں میں ہر دلعزیز بنا دیا وہاں حکومت کے ذمہ دار افسر بھی آپ کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے۔

بنگال کے گورنر لارڈ لٹن جو خود بھی اس ریلیف فنڈ میں خاص دلچسپی رکھتے تھے آپ کی قابلِ تعریف اور حیرت زا تنظیم پر بہت ہی خوش ہو گئے۔ اور سنتھر کے مقام پر سبھاش بابو سے خاص ملاقات کر کے اس انسانی خدمت کی بھاری داد دی۔

سوراجسٹ پارٹی

جن لوگوں کو آزادئ وطن کا عشق لگ جاتا ہے وہ اپنا سب کچھ اس پر نچھاور کر دیتے ہیں۔ حکومت کی گولیاں اور لاٹھیاں انہیں ایک کھیل دکھائی دیتی ہیں۔ دشمن کی آہنی ہتھکڑیوں کو ایک زیور سمجھنے لگ جاتے ہیں اور پھانسی کا رسہ انہیں پھولوں کا ہار نظر آتا ہے۔ راحت و آرام سے بے بہرہ وطن عزیز کی غلامی کی زنجیریں توڑنے میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں۔ رات ہو یا دن۔ بیمار ہوں یا تندرست اس کی خوشحالی اور بہتری کے لئے کوشاں اور بے چین رہتے ہیں۔ یہی حالت سبھاش بابو کی تھی۔ حکومت کی باگ ڈور کو چھوڑا۔ آئی سی ایس کو لات ماری۔ باپ کے بنگلوں میں نہیں بلکہ جیل کی کوٹھڑیوں میں ڈیرے جمائے عیش و عشرت کی زندگی کو چھوڑ کر مصیبتوں میں پڑا۔ حکومت کی آنکھ کے کانٹے بنے والدین کی دنیاوی امیدوں پر پانی پھیرا۔ اور وطن کو اغیار کے ہاتھوں سے چھڑانے اور اسی ایک آدرش پر اپنی زندگی کو ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور دیش بندھو کی رہنمائی میں کانگرس کی سیاست میں اپنا پارٹ شروع کر دیا۔

۱۹۲۲ء کے اخیر میں کانگرس کا اجلاس آپ کے سیاسی رہنما دیش بندھو سی۔ آر۔ داس کی زیر صدارت گیا میں منعقد ہونا تھا۔ سبھاش بابو کے لئے آل انڈیا کانگرس کی کارروائی میں شامل ہونے کا پہلا موقع تھا۔ اس اجلاس میں داخلہ کونسل کے سوال پر کانگرس کے لیڈروں کے درمیان اختلافات بڑھ گئے۔ مہاتما جی کی تحریک ترکِ موالات کے ریزولیوشن کے

مطابق جو دیش بندھو اور لالہ لاجپت رائے کی بے انتہا مخالفت کے بعد بھی پاس ہو گیا تھا۔ کونسلوں کا بائیکاٹ لازمی تھا۔ دیش بندھو کا یہ عقیدہ تھا کہ داخلہ کونسل سے ہی ہندوستان جلدی منزل آزادی پر پہنچ سکتا ہے۔ آپ اس کے بائیکاٹ کے اس قدر مخالف تھے کہ کانگرس کے سب سے سرگرم لیڈر تسلیم ہوتے ہوئے بھی آپ ماڈریٹوں سے سمجھوتہ کر لینے پر رضامند ہو جاتے تھے۔ اختلاف رائے بالکل دیانتدارانہ تھا۔ مہاتما جی اپنی پہلی ہی سول نافرمانی کی تحریک میں اتنے مشہور ہو چکے تھے کہ آپ کی رائے اکثریت پر غلبہ پا لیتی تھی۔ چنانچہ کانگرس کی رائے کو اپنی رائے میں بدل لینے میں دیش بندھو کو کامیابی نہ ہوئی۔ اس لئے آپ نے کانگرس کے اندر سوراجسٹ پارٹی کی بنیاد رکھی۔ اسی نئی پارٹی کا پروگرام کونسلوں اور لوکل باڈیوں کے انتخابات لڑنا تھا۔ سبھاش بابو جو کہ دیش بندھو کی رہنمائی میں کام کر رہے تھے۔ آپ کو پارٹی کی تنظیم کا کام سپرد کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک انگریزی اخبار فارورڈ اس پارٹی نے نکالا۔ جس کی ادارت بھی آپ ہی کے سپرد ہوئی۔ آپ قوت تنظیم میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں ملک کے تمام طول و عرض میں پارٹی کی شاخیں قائم کر دیں۔ پارٹی کا نظریہ عوام کے سامنے رکھا۔ انتخاب لڑے اور نہ صرف صوبجاتی کونسلوں میں سوراجسٹ بڑی تعداد میں کامیاب ہو گئے۔ بلکہ سنٹرل اسمبلی میں بھی ایک بھاری تعداد منتخب ہو گئی۔ آپ کی قوت تنظیم تو ملک نے پرنس آف ویلز کی آمد پر دیکھ لی تھی لیکن اب آپ کی تحریریں لوگوں کے سامنے آئیں۔ بڑے بڑے پرانے جرنلسٹ

اس نوجوان کے زورِ قلم کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ فارورڈ اخبار کے لیڈنگ آرٹیکل تو نوجوانوں کی پسندیدگی اور باہمی گفتگو کا موضوع بنے رہتے۔ ان ہر دو فرائض کی شاندار ادائیگی اور سوراجسٹوں کی حیرت انگیز کامیابی نے نہ صرف سبھاش بابو کو دیش بندھو کے دل میں ایک خاص جگہ حاصل کر دی بلکہ تمام ملک میں آپ ہر دلعزیز ہو گئے۔

۱۹۲۴ء میں بنگال کانگریس نے کلکتہ کارپوریشن کے انتخاب لڑنے اور اپنی اکثریت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی دیش بندھو وہاں کے صدر چنے گئے سبھاش بابو پر آپ کا کامل اعتماد تھا۔ چنانچہ انہیں وہاں کا چیف ایگزیکٹو آفیسر کر دیا گیا۔ اس سے پہلے بھی سبھاش بابو بنگال کے ہردلعزیز لیڈر بن چکے تھے۔ اب تو آپ اور بھی مشہور ہو گئے۔ تمام تنخواہ غریب طلباء کو وظیفوں کی صورت میں تقسیم کر دیتے۔ شہر میں ایسی عجیب و غریب اصلاحات رائج کر دیں کہ ہر غریب و امیر آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگ گیا۔ چھ ماہ آپ اس جلیل عہدہ پر مامور رہے۔ اپنی محنت و قربانی کی وجہ سے آپ کی ہردلعزیزی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اب تو کلکتہ کا بچہ بچہ آپ کے اشارے پر چلنے کو تیار ہو گیا۔

اس اثناء میں بڑے بڑے سرکاری افسروں کے لڑکوں کو آپ نے منظم کرنا شروع کر دیا اور آزادی کی مہم کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ ایگزیکٹو افسر بن کر تو آپ نے وہ خدمات پبلک کی سرانجام دیں۔ شہر کی صفائی اور حفظانِ صحت کا اس قدر انتظام کیا۔ رشوت ستانی کو اس سختی سے روکا کہ کیا امیر کیا غریب سب اس نوجوان افسر پر فدا ہو گئے اور آپ کی رہنمائی میں فخر محسوس کرنے

گئے۔

کوئی بھی سرمایہ دار حکومت یا امپریلیسٹ حکومت کسی بھی نوجوان کی اس قدر ہر دلعزیزی اور اس کی قومی سرگرمیوں کو برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ حکومت کے مفاد کے ہوتا ہی الٹ ہے کہ کسی نوجوان کو کسانوں اور مزدوروں کی تنظیم کی اجازت دے۔ یا نوجوان طلبا کے جذبات کو ابھارنے کی اجازت دے۔ سبھاش بابو چونکہ ہر دو باتوں میں بڑھ چڑھ کے کام کئے جا رہے تھے اس لئے حکومت نے بہتری اس میں سمجھی کہ نوجوانوں کی شاہ رگ کے اس خون کو زیادہ جوش میں آنے کی اجازت نہ دی جائے۔

چنانچہ آپ کو ۲۵ راکتوبر ۱۹۲۴ء کو بنگال آرڈیننس کے ماتحت گرفتار کر کے غیر معین عرصہ کے لئے مانڈلے جیل میں نظر بند کر دیا گیا۔

کالے پانی اور مانڈلے جیل کی سختیاں کانگرس کی سیاست میں دلچسپی رکھنے والے کسی بھی انسان سے پوشیدہ نہیں۔ جب بھی لیڈر اس کی یاترا سے واپس آئے۔ انہوں نے اپنے تجربات بیان کئے۔ وہاں کے بے رحم ماحول کا ذکر کیا اور اہل وطن کو وہاں کی بے انتہا مصیبتوں کے دردناک قصے سنائے۔ انڈمان جیل کی تاریک کوٹھڑیاں کسی ایسے شکنجہ سے کم خیال نہیں کی جاتیں۔ جن میں پھنس کر بصحت واپس آنے کی توقع ہو سکے۔ بڑے بڑے غیور اور باہمت انسان بھی اس میں حوصلہ ہار دیتے ہیں۔

درحقیقت اخلاقی جرائم کی روک تھام۔ بڑے بڑے ڈاکوؤں اور رہزنوں کی خلاف قانون سرگرمیوں اور بے رحمانہ افعال کی حوصلہ شکنی کے لئے اس جیل

کا وجود لا یا گیا تھا۔ لیکن بعد میں اسی جیل کو محب الوطنوں کا کا شانہ بنا کر نوجوان قومی ورکروں کی نظر بندی کا مرکز بنا دیا گیا۔

علالت اور رہائی

امیر خاندان میں پل کر بڑا ہونے والا انسان کتنا ہی باہمت اور مستقل مزاج کیوں نہ ہو اس کی جسمانی بناوٹ اتنی نازک ہوتی ہے کہ مصیبتیں اور مشکلات اپنے اثرات اس پر فوراً چھوڑ جاتی ہیں۔ بس کیا تھا کڑی نگرانی۔ نا روا سلوک بد ترین خوراک اور نا بہ نما جائے رہائش کی وجہ سے آپ سخت بیمار پڑ گئے۔ یہاں تک کہ آپ کے پھیپھڑے بھی خراب ہو گئے اور تپ دق نے آپ پر غلبہ پا لیا۔ سب سے بڑھکر بد بختی یہ کہ سیاسی نظر بندوں سے ہو رہے سلوک نے آپ کو بھوک ہڑتال کرنے پر مجبور کر دیا۔ ایسے حالات میں آپ کی صحت اس قدر گر گئی کہ ماہ اپریل ۱۹۲۷ء تک آپ کا وزن ۴۰ پونڈ کم ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ جب حکومت نے آپ کو حراست میں لیا۔ تو آپ کی شاندار صحت بڑے بڑے توانا نوجوانوں کے لئے باعث رشک نظر آتی تھی۔ آپ کے چہرہ پر شرافت کے نشانات اور آپ کی آنکھوں میں ایک نور سا دکھائی دیتا تھا۔ لیکن اڑھائی سال کی نظر بندی نے آپ کا دم نکال دیا کہ بستر سے ہلنے جلنے کے قابل نہ رہے۔

ملک نے آپ کی اتنی طویل نظر بندی اور خاص کر ایسے حالات میں جبکہ آپ کی صحت اس قدر بگڑ گئی تھی زبردست ایجیٹیشن کیا۔ بنگال میں بے پناہ

احتجاجی جلسے اور مظاہرے ہوئے۔

جہاں عوام اپنے محبوب لیڈر کی شکستہ صحت سے گھبراکر ایجی ٹیشن کر رہے تھے۔ وہاں حکومت بھی آپ کی صحت کی ذمہ داری لینے کو تیار نہ تھی۔ چنانچہ بنگال گورنمنٹ نے آپ کے معائنہ کے لئے آنریبل ڈاکٹر موری کی زیر سرکردگی ایک میڈیکل بورڈ بھیجا۔ بورڈ کے تمام ممبران اس رائے پر متفق تھا۔ کہ سبھاش بابو کی صحت اس قدر خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے کہ اس سے بڑھکر اس کی ذمہ داری لینا نادانی کے مترادف ہے۔ اب حکومت کے سامنے دو چیزیں تھیں یا آپ کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا جائے۔ یا آپ کے علاج کی ذمہ داری اپنے سر لے۔ سرکاری میڈیکل بورڈ کے رائے کے مطابق اور آپ کی نازک حالت کے پیش نظر دوسری بات تو گورنمنٹ کرنے کو تیار نہ تھی۔ لہذا آپ کی غیر مشروط رہائی کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن اس حالت میں بھی حکومت کے رعب (Prestige) کا سوال تھا۔

جب سے حکومت برطانیہ نے بھارت ورش میں قدم جمائے۔ لفظ رعب یعنی وقار کی خاطر جب کبھی موقعہ آیا۔ حکمرانوں نے سخت سے سخت قدم اٹھانے سے بھی گریز نہ کیا۔ اسی رعب کی برقراری کے لئے کئی بار قیمتی سے قیمتی جانوں سے کھیلا گیا۔ یہاں پر ہی بس نہیں بلکہ اسی لفظ کے احترام میں کئی بار حکمرانوں نے اپنے آپ کو بھی خطرہ میں پالیا۔ تواریخ آزادی اور ہندوستان کی پچپن سالہ جدوجہد میں بے انتہا ایسے واقعات مل سکتے ہیں۔ جبکہ لفظ رعب کی خاطر حکومت نے نتائج سے بے بہرہ ہوکر اپنے

اور ملک کے مفاد کو بھی نظر انداز کر دیا۔

بہت دفعہ یہ لوگ لفظِ وقار کی خاطر نتائج سے بے بہرہ ہوتے رہے لیکن اب کی بار ایسا نہ کر سکے۔ ایک طرف ملک میں اور خاص کر بنگال میں ایجی ٹیشن کا طوفان مچا ہُوا تھا۔ اور دوسری طرف آپ کی صحت بے انتہا خطرناک صورت اختیار کر چکی تھی۔ سرکاری بورڈ کے ساتھ ساتھ آپ کے بھائی ڈاکٹر سنیل چندر بوس کی رائے بھی طلب کی گئی۔ تمام کے تمام ڈاکٹروں نے حکومت پر زور دیا کہ اس سے بڑھکر آپ کی صحت کی ذمہ داری نہ لینی چاہیئے۔ اور آپ کو فوراً علاج کے لئے سوئٹزرلینڈ میں بھیج دینا چاہیئے۔ چنانچہ حکومت نے بسترِ مرگ پر پڑے ہوئے جوانمرد کے سامنے یہ شرط پیش کی کہ اگر وہ اس بات کا اقرار کریں کہ جیل سے رہا ہوتے ہی کسی ہندوستانی بندرگاہ پر قدم نہ رکھیں گے بلکہ سیدھے یورپ میں علاج کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ تو گورنمنٹ کو انہیں رہا کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ آزادی کے جس پروانے نے عیش و عشرت اور حکومت کی موجوں کو نظر انداز کر کے انڈیمان جیل میں سڑنا منظور کر لیا ہو۔ جس وطن پرست نے حق پرستی کے دعویٰ پر اڑ کر منصورؒ کی سولی پر چڑھنے سے گریز نہ کیا ہو۔ حب الوطنی کے جذبہ میں مست محب الوطنوں کے جس سرتاج نے موت سے بھی مذاق اڑایا ہوں۔ اس کے سامنے یہ شرط کیا معنی رکھ سکتی ہے۔

آپ کہا کرتے تھے۔ کہ جو ملک کا ملک ہی ایک بڑا جیل خانہ ہو۔ وہاں عارضی آزادی کے کیا معنے ؟ چنانچہ آزادی اس پیشکش کا نہایت ہنسی

مایوس کن حشر ہوا۔
آپ نے ڈاکٹر ماجان کا شکریہ ادا کیا اور مشروط رہائی پر موت کو ترجیح دی۔ اور رہا ہونے سے انکار کر دیا۔ چار اپریل ۱۹۲۷ء کو آپ نے جیل سے اپنے بڑے بھائی شری ایت سرت چندر بوس کو ایک چٹھی لکھی۔ جس میں ڈاکٹر دں سے ہوئی بات چیت کا ذکر کیا اور اپنے چھوٹے بھائی سنیل بوس کی شکایت کی۔ کہ انہوں نے آپ کی رہائی کی سفارش کر کے ایک سخت غلطی کی ہے۔ نیز آپ نے لکھا۔ ڈاکٹر موبرلی نے آپ کو بڑا سمجھایا کہ بغیر کسی تحریری بات کے محض آپ کے زبانی اقرار پر آپ کی رہائی کی سفارش کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس پیش کش نے آپ کے دل میں کوئی اثر نہ کیا۔

جب حکام اپنی اس کوشش میں ناکام رہے۔ اور مسٹر بوس سے کوئی ایسا اقرار حاصل نہ کر سکے تو آپ کو غیر مشروط طور پر رہا کرنے میں ہی دانائی سمجھی۔ اندریں حالات ۱۵ مئی ۱۹۲۷ء کو آپ کو مانڈلے جیل سے ایس۔ ایس اروندا جہاز پر واپس لایا گیا۔ جہاز بوٹنیکل گھاٹ کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ خبر فوراً کلکتہ شہر میں پھیل گئی۔ ہزار ہا لوگ آپ کے درشنوں کے لئے جمع ہو گئے۔

حکام نے آپ کے بھائی سرت بوس کو بذریعہ تار مطلع کیا کہ وہ اپنے بیمار بھائی کو آ کر سنبھال لے۔ اور ساتھ ہی ایک کمیونک نکال کر اعلان کیا کہ مانڈلے جیل میں مسٹر بوس کی تسلی بخش صحت کی رپورٹ پہنچنے پر حکومت نے بہتر سمجھا کہ ان کو ان کو جیل میں تبدیل کر دیا جائے۔

لیکن میجر ہنگسٹن۔ آئی۔ ایم۔ ایس سپیشل سرجن ٹو ہز ایکسیلنسی گورنر آف

بنگال اور لفٹننٹ کرنل سینڈیلیہ کی متحدہ رپورٹ پر رہا کر دیا گیا ہے تاکہ اپنا علاج اپنی مرض کے مطابق کروا سکیں ۔

باب سوم

شہرت کا آغاز

مانڈلے جیل سے رہائی کے بعد کافی عرصہ آپ بستر علالت پر پڑے رہے خیال کیا جاتا تھا کہ سبھاش بابو اب کی بار سیاسی میدان سے بھاگ کر کسی آرام گاہ میں جا کر پناہ لیں گے ۔ لیکن ہوا اس کے بالکل برعکس ۔ جس طرح تھوڑے کی ہر چوٹ سونے کی چمک کو دوبالا کر دیتی ہے مصیبتوں کے طوفان نے سبھاش کے اندر ایک نئی روح پیدا کر دی ۔ صحت یاب ہوتے ہی زیادہ دیر آرام نہ کیا بلکہ ایک بار پھر میدان عمل میں قدم رکھدیا ۔ بنگال کے لوگوں نے آپ کی واپسی پر شاندار استقبال کیا ۔ صوبہ کانگریس کمیٹی نے آپ کو اپنا صدر چن لیا ۔ اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے بھی سیکریٹری بنا دئے گئے جس دیانتداری اور استقلال کے ساتھ آپ نے ہر دو عہدوں کو سرانجام دیا ۔ وہ آپ کی ہر دلعزیزی کو اور بھی زیادہ بنا گئے ۔ اور آپ کی قابلیت کی دھوم تمام ملک میں مچ گئی ۔

اس کے علاوہ مزدوروں اور کسانوں کی واحد جماعت آل انڈیا ٹریڈ یونین کے آپ صدر چنے گئے ۔

کانگرس ڈیموکریٹک پارٹی

سائمن کمیشن کے ہنگامی دورہ کے تاثرات اور کلکتہ کانگرس کے فیصلے ابھی تک لوگوں کے دلوں میں پرانے نہ ہوئے تھے۔ کہ دسمبر ۱۹۲۹ء میں دریائے راوی کے کنارے لاہور شہر میں کانگرس کا اجلاس پنڈت جواہرلال کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اس سیشن کے فیصلوں کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے کانگرس کے اندر اس بات کا ذکر کرنا نہایت ضروری ہے۔ کہ کن کن حالات میں ڈیموکریٹک پارٹی کا قیام ہوا سبھاش بابو کے اوصاف میں ایک شاندار پہلو یہ ہے کہ جب کبھی آپ کے اصول کا معاملہ آتا یا جب کبھی ملک کے مفاد کا سوال اٹھتا۔ آپ ذاتی تعلقات کو فوراً نظرانداز کر کے ملک کے مفاد کو ہمیشہ ترجیح دیتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اپنے اصول کا احترام کرتے ہوئے کئی بار آپ کو مخلص سے مخلص دوستوں اور ساتھیوں کو بھی ناراض کرنا پڑا۔

نہرو رپورٹ کے معاملہ پر پنڈت موتی لعل نہرو اور آپ کے درمیان جو اختلافات موجود تھے زیادہ بڑھ گئے۔ یہانتک کہ جو تحریک بوس گروپ کی طرف سے پیش ہوتی پنڈت موتی لال گروپ کی طرف سے اس کی زبردست مخالفت ہوتی۔ پنڈت موتی لال نہرو ملک کے برگزیدہ پرانے لیڈروں میں سے مانے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ مہاتما گاندھی کی امداد ہر معاملہ میں آپ کے لئے مخصوص سمجھی جاتی تھی۔ جس کے نتیجے کے طور پر بوس گروپ کو اکثر ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

کانگریس میں یہ رواج چلا آتا تھا کہ صدر کانگریس ورکنگ کمیٹی کو خود نامزد کرتے تھے۔ لاہور کانگریس کے موقع پر شری یت ایس سری نواس آئینگر اور مسٹر بوس کی طرف سے یہ تحریک پیش ہوئی کہ ورکنگ کمیٹی کے ممبران نامزد نہیں ہونے چاہییں۔ بلکہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو ان کا انتخاب کرنا چاہیے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ہر وہ تحریک جو بوس گروپ سے پیش ہوتی پنڈت موتی لال کی طرف سے اس کی مخالفت کی جاتی تھی۔ چنانچہ اس تحریک کی بھی سخت مخالفت کی گئی۔ جس کے نتیجہ کے طور پر یہ تحریک گر گئی۔

پرانے لیڈروں کے اس رویہ کو جمہوریت کے اصولوں کے خلاف سمجھا گیا اور کانگریس کے اندر ایک نئی پارٹی کا قیام کیا گیا۔ جس کا نام کانگریس ڈیموکریٹک پارٹی رکھا گیا۔ مسٹر سری نواس آئینگر جو کانگریس کے صدر رہ چکے تھے۔ ہائی کمانڈ کے اس رویہ سے اس قدر بددل ہو گئے کہ آپ نے ایک قسم کی سیاست سے تنہائی سی اختیار کر لی اور بدقسمتی سے آج تک کانگریس آپ جیسے سیاست دان کے مشورہ سے محروم ہے۔

سبھاش بابو نے مسٹر سی۔ آر۔ داس کو ایک تار بھیجا۔ جس میں انہوں نے لکھا "حالات اور اکثریت کے ظلم نے ہمیں گویا کی طرح کانگریس ڈیموکریٹک پارٹی بنانے کے لیے مجبور کر دیا ہے۔ دعا کیجئے کہ دیش بندھو کی روح ہماری رہنمائی کرے۔ اور آپ کی پیار بھرا ہمارے ساتھ ہونی چاہیئے"۔

اس پارٹی کے سیکریٹریوں نے حسب ذیل اعلان کیا:۔

نئی پارٹی مکمل آزادی کے نصب العین کے پیش نظر جہاں تک ہو سکے

امکان میں ہوگا۔ وہ حصولِ مقصد کی خاطر ملک کی دیگر پارٹیوں کے اس پروگرام اور سرگرمیوں میں جو اُسے منظور ہو گی بغیر کسی تعصب کے تعاون کرے گی۔

لاہور کانگرس ۱۹۲۹ء اور اسکے بعد

جیسا کہ اُوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ لاہور کانگرس کے ہنگامی فیصلے کانگرس کی تواریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ کلکتہ کانگرس میں برطانیہ کو دی گئی ایک سال کی مہلت ختم ہو چکی تھی۔ لیکن برطانوی مدبروں نے اس طرف کوئی دھیان نہ دیا تھا۔ چنانچہ کانگرس نے دریائے راوی کی موجوں کو شاہد رکھکر یہ ریزولیوشن پاس کیا کہ ہندوستان کے لوگ اب کامل آزادی سے کم کسی آئین کو تسلیم نہ کریں گے۔ اس ریزولیوشن کی تکمیل میں مہاتما جی کو راہ عمل تجویز کرنے کے لئے کہا گیا۔ مہاتما جی نے ہر ممکن کوشش کی۔ کہ سول نافرمانی کئے بغیر ہندوستانیوں کے مطالبات کا احترام کروایا جاسکے آپنے کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اپنی نرم سے نرم پیشکش بھی وائسرائے کو پیش کی لیکن کوئی تسلی بخش نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ چنانچہ آپ نے قانون نمک شکنی کا پروگرام ملک کے سامنے رکھا۔ خود پچہتر آدمی ساتھ لے کر ڈانڈی کیطرف دھاوا بول دیا۔ نمک کے قانون کی خلاف ورزی کی۔ اور بعدازاں ملک نے آپ کی تقلید کی۔ ہزاروں۔ مرد عورتیں اور بچے جیل میں گئے۔ سینکڑوں نے پولیس کی لاٹھیاں کھائیں اور درجنوں گولیوں کا شکار ہوئے۔

سول نافرمانی کے اس دور میں سبھاش بابو بھی گرفتار ہوئے اور چھ

ماہ کی جیل کاٹنے کے بعد ستمبر ۱۹۳۰ء میں رہا ہوئے۔

عوام میں آپ کی ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا۔ کہ اس بار جب جیل میں گئے۔ تو آپ کی عدم موجودگی میں کانگرس نے کلکتہ کارپوریشن کے انتخاب لڑے۔ ابھی آپ جیل ہی میں تھے کہ آپ کو بلا مقابلہ ممبر چن لیا گیا۔ اور بعد میں متفقہ طور پر وہاں کا میئر مقرر کر دیا گیا۔ عیش و عشرت کو تو آپ نے ٹھکرایا۔ مگر عوام کے دلوں پر ایسا قبضہ کر لیا کہ بنگال کے لوگ آپ کو بے تاج بادشاہ کہنے لگے۔

جنوری ۱۹۳۱ء میں آپ ایک بار پھر گرفتار لیے گئے۔

لاہور کانگرس کے فوراً ہی بعد ورکنگ کمیٹی نے ایک ریزولیوشن پاس کیا۔ جس سے اہل ملک کو اپیل کی کہ ہر سال ۲۶ جنوری کو یوم آزادی منایا جائے۔ جلوس نکالے جائیں۔ جلسے منعقد کئے جائیں۔ ورکنگ کمیٹی کا تیار شدہ حلف آزادی پڑھا جائے اور متفقہ آواز سے برطانیہ تک کامل آزادی کا مطالبہ پیش کیا جائے۔ ۱۹۳۱ء میں جبکہ کانگرس اور حکومت ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار تھیں۔ یوم آزادی تمام ملک میں خوب جوش و خروش سے منایا گیا۔

ہندوستان کے تمام طول و عرض میں جلوس نکالے گئے۔ بنگال کا صوبہ جو کہ ہمیشہ قومی تہواروں کو منانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا رہا ہے اس سال وہاں بھی بے انتہا جوش پایا جاتا تھا۔ نوجوانوں نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا۔

بڑا عظیم الشان جلوس نکالا گیا۔ سبھاش بابو جلوس کی رہنمائی کر رہے تھے۔ جب جلوس کلکتہ کے بازاروں سے گزر رہا تھا۔ کہ پولیس نے اُسے خلاف قانون مجمع قرار دے کر لاٹھی چارج سے منتشر کیا۔ اب کی بار آپ کو پولیس کی لاٹھیاں کھانی پڑیں اور گیارہ ساتھیوں کے ہمراہ آپ کو جیل میں بھیج دیا گیا۔

یہ وہ وقت تھا جبکہ انفرادی دہشت زدگی ملک میں چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ اور سول نافرمانی کے سلسلہ میں تمام کے تمام لیڈر جیلوں میں جا رہے تھے۔ لندن میں بلائی گئی پہلی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس بری طرح سے ناکام ہو چکی تھی۔ مسٹر تیج بہادر سپرو۔ اور مسٹر ایم۔ آر جیکر ایسے لبرل لیڈر صلح کی تگ و دو میں مصروف تھے۔ کن حالات میں ان صلح کرانے والوں کو کامیابی ہوئی وہ کسی دوسرے باب میں درج کیا جا چکا ہے

صلح ہوئی۔ گاندھی اروِن معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ مہاتما جی نے سول نافرمانی بند کر کے دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں حصہ لینا منظور کیا۔ اور حکومت نے تمام ان سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا۔ جو عدم تشدد کے سلسلہ میں جیلوں میں گئے تھے۔ اور اس عام رہائی میں سبھاش بابو بھی اپنی قید کی میعاد بھگتنے سے پہلے رہا کر دیئے گئے۔

آل انڈیا نوجوان کانفرنس کی صدارت

نوجوانوں کے لئے یہ معاہدہ نہایت ہی بدقسمت اور ناخوشگوار ثابت ہوا
نہ صرف پنجاب بلکہ ہندوستان بھر کے نوجوانوں کا متفقہ مطالبہ تھا۔ کہ مقدمہ
سازش لاہور کے مشہور ملزم سردار بھگت سنگھ جن کو سانڈرس کے قتل کے
سلسلہ میں پھانسی کی سزا ہو چکی تھی۔ ان کو رہا کرائے بغیر کوئی بھی معاہدہ ہندوستان
کے نوجوانوں کو منظور نہ ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے اور جیسا کہ مشہور گاندھی بھگت
ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ نے بھی اپنی مشہور سیاسی تصنیف "تاریخ کانگرس"
میں تسلیم کیا ہے سردار بھگت سنگھ کو اس وقت وہ شہرت حاصل تھی جو شاید
مہاتماجی کو بھی ابھی تک نصیب نہ ہوئی تھی۔ آپ انڈین نپولین کے نام سے
ملک بھر میں مشہور تھے۔ چنانچہ مہاتماجی نے نوجوانوں کو یقین دلایا کہ نوجوان
ہندوستان کے اس سرتاج کو رہا کرانے کی کوشش کی جائے گی لیکن یہ ہو نہ
سکا۔ حکومت سب مطالبات ماننے پر رضامند تھی۔ لیکن اس مطالبہ کو
منظور نہ کیا گیا۔ مہاتماجی نے اس کے باوجود بھی پیکٹ پر دستخط کر کے
ہندوستان کے نوجوانوں کو ناراض کر دیا۔

اس وقت آل انڈیا کانگرس کا سالانہ اجلاس کراچی میں منعقد ہونا تھا۔
نوجوان جو اس وقت کانگرس اور مہاتماجی سے سخت نالاں تھے انہوں نے
ایک علیحدہ کانفرنس بلانے کا فیصلہ کیا۔ جس میں مہاتماجی کی پالیسی اور
گاندھی ارون پیکٹ پر اظہار نفرت کرنے کا فیصلہ ہوا۔ سبھاش بابو جو کہ جیل سے رہا ہو کر

سامراج سے کیئے گئے معاہدوں کی مخالفت میں تمام ملک میں مشہور تھے۔ آپ کو متفقہ طور پر اس کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا۔ نوجوانوں کے دل تو معاہدہ کی شرائط سے ہی کافی زخمی ہو چکے تھے۔ لیکن فوراً ہی بعد ابھی کہ کراچی سیشن شروع نہ ہوا تھا کہ سردار بھگت سنگھ۔ کامریڈ سکھدیو اور کامریڈ اور کامریڈ راج گورو کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ اب تو ان زخموں پر نمک چھڑکے جا چکے تھے۔ کراچی میں نوجوانوں نے کالی جھنڈیوں سے مہاتما جی کا استقبال کیا۔ گو بیک کے نعرے لگائے اور زیادہ سے زیادہ منافرت ظاہر کرنیوالے مظاہرے کیئے گئے۔

کانگرس کے ساتھ ساتھ کراچی میں نوجوانوں کی کانفرنس بھی منعقد ہوئی سبھاش بابو نے نہایت ہی شاندار خطبہ پڑھا۔ مہاتما جی کی پالیسی پر نفرت کا اظہار کیا اور گاندھی ارون پیکٹ پر عدم اعتماد کا اظہار کیا۔ آپ نے مہاتما جی کی پالیسی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایک سیاسی کم فہمی ہے کہ جب ملک پوری طرح سے کانگرس کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا تو مہاتما جی نے وائسرائے کے ساتھ صلح کر لی۔

ہندوستان کے لوگوں کو شاید اس وقت معلوم نہ تھا کہ کراچی میں کی گئی اینٹی کمپرومائز کانفرنس کا یہ نوجوان صدر ساری عمر میں معاہدوں کی مخالفت کرتا جائے گا۔ اگر کسی وقت بھی کانگرس نے برطانوی سامراج کے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ کرنے کی کوشش کی تو وہ رامگڑھ کانگرس کے موقعہ پر بھی ایک اینٹی کمپرومائز کانفرنس رچا کر مہاتما جی کی من مانی کارروائیوں کے سامنے چٹان کی

طرح ٹوٹ جائے گا۔

(۳)

ریگولیشن III ۱۸۱۸ء کے ماتحت گرفتاری

گاندھی اروِن معاہدہ کا طلسم بہت جلدی ٹوٹ کر ملک کے سامنے آگیا۔ لارڈ ارون کی جگہ لارڈ ولنگڈن نے چارج لے لیا تھا۔ گرفتاریوں اور لاٹھی چارج پھر جاری ہو گئے تھے۔ دوسری طرف مہاتما جی دوسری کانفرنس سے بھی مایوس ہو کر واپس آ چکے تھے۔ بمبئی میں پہنچتے ہی معاہدہ کے متعلق ہو رہی خلاف ورزیوں کے متعلق وائسرائے بہادر سے خط و کتابت کی۔ لیکن جواب ناتسلی بخش ملا۔ آپ کو ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ آپ نے ورکنگ کمیٹی کو بمبئی میں بلایا۔ سبھاش بابو بھی وہاں پر بنگال آرڈیننس کے متعلق تبادلہ خیالات کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ لیکن ریگولیشن III ۱۸۱۸ء کے ماتحت گرفتار کر لئے گئے۔

آپ چونکہ کافی عرصہ سے یعنی اس وقت سے جبکہ مانڈلے جیل سے مئی ۱۹۲۷ء میں رہا ہوئے۔ تپ دق کے مریض تھے اسلئے ایک بار پھر جیل میں جا کر آپ کی صحت بے انتہا خراب ہو گئی۔ فوراً پھیپھڑوں کی خرابی نمودار ہو گئی۔ بخار نے دائمی صورت اختیار کر لی۔ سخت بیمار ہو گئے۔ اور صحت بالکل بگڑ گئی۔ علاج کے لئے یورپ جانا چاہتے تھے۔ حکومت نے اس بات کی اجازت تو دے دی۔ لیکن جاتی دفعہ بابو جی کو اپنی والدہ اور رشتہ داروں سے ملنے کی

اجازت نہ دی گئی۔ پولیس کی کڑی نگرانی میں جہاز پر چڑھاکر آپ کو وطن سے دور ولایت میں روانہ کر دیا گیا۔ یورپ کی صحت گاہوں میں آپ کی صحت قدرے ٹھیک ہوگئی۔ بیمار تھے یا کمزور۔ ہندوستان کی غربت کا فکر ہر وقت آپ کو دامنگیر رہتا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے برطانوی مدبروں سے طویل ملاقاتیں کیں اور حکومت ہند کی پالیسی اُن لوگوں کے سامنے رکھی۔

اِن دنوں سنٹرل اسمبلی کے مشہور سابق صدر شری بٹ وٹھل بھائی پٹیل بھی اپنے علاج کے سلسلہ میں یورپ گئے ہوئے تھے۔ آپ سبھاش بابو سے بہت پیار کرتے تھے۔ اور سبھاش بابو نے آپ کی بیماری میں بہت خدمت کی تھی۔ اور جب آنجہانی پٹیل ملک عدم کی طرف عازم ہوئے تھے تو سبھاش بابو نے آپ کی لاش کو ہندوستان میں بھیجنے کا انتظام کیا تھا۔

۱۹۳۳ء میں جب یہ خبر یورپ میں پہنچی کہ مہاتما جی نے چھ ہفتوں کے لئے سول نافرمانی بند کر دی ہے۔ تو ان دونو رہنماؤں نے وہاں سے ایک متحدہ بیان جاری کیا کہ اب کی بار سول نافرمانی بند کرکے مہاتما جی نے اپنی سیاسی کم فہمی کا آخری ثبوت دے دیا ہے۔ اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ عوام کی رہنمائی کے لئے آپ بالکل ناقابل ہیں۔

دسمبر ۱۹۳۴ء میں سبھاش بابو کو آپ کی والدہ صاحبہ نے تار بھیجا کہ ان کے والد رائے جانکی ناتھ بوس سخت بیمار ہیں۔ تار ملتے ہی وطن کی راہ لی۔ لیکن آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی اس عظیم الشان شخصیت کے عظیم الشان والد اس

جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ چنانچہ کلکتہ پہنچتے ہی آپ کو پھر گرفتار کر کے اپنے گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ آپ نظر بند رہے۔ لیکن آپ کی شکستہ صحت نے آپ کو پھر ولایت جانے پر مجبور کر دیا۔ ایک دفعہ پھر یورپ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں کے مشہور سینی ٹوریم میں علاج کروایا۔ اور آپ کی صحت ٹھیک ہونے لگی۔ آپ کا جسم تو مغربی تہذیب کی جائے پیدائش یورپ میں موجود تھا لیکن دل وطن کی عزبت میں بیدار تھا۔ جب آپ کو پتہ چلا کہ یورپ کی ایک اکثریت ہندوستان میں چل رہی تحریکوں سے بے خبر ہے تو اہل یورپ کو صحیح حالات سے آگاہ کرنے کے لئے آپ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا۔ "ہندوستان میں جنگ آزادی ۱۹۲۰ء تا ۱۹۳۴ء" کتاب کے چھپتے ہی یورپ میں تہلکہ مچ گیا۔ وہاں کے لوگوں نے اس بلند پایہ تصنیف کو بڑے اشتیاق سے پڑھا۔ کئی ایڈیشن چھپے اور ہاتھوں ہاتھ بک گئے۔ لیکن اسے کاش کہ آزادئ وطن کے اس جانباز جرنیل کی بیش قیمت تصنیف کو ہندوستان کے ساحل پر نہ آنے دیا گیا۔

(۴)

لکھنؤ کانگرس ۱۹۳۶ء

۱۹۳۶ء میں کانگرس کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہونا تھا۔ پنڈت جواہر لعل نہرو کملا کی خاک کو سرزمین یورپ میں چھوڑ کر اجلاس کی صدارت کے لئے ہندوستان میں پہنچ چکے تھے۔ تمام ملک کی آنکھیں بنگال کے اس جوانمرد اور قوم کے محبوب لیڈر بابو سبھاش چندر بوس کی طرف لگی ہوئی تھیں

آپ کی مسلسل نظر بندی اور کڑی نگرانی نے تمام ملک کو پریشان کر دیا تھا۔ چنانچہ چاروں طرف زبردست خواہش ظاہر کی گئی کہ آپ بھی اس اجلاس میں شریک ہو سکیں۔ ملک کی آواز پر انڈین کے ساحل کو خیرباد کہا اور وطن کا رُخ کیا

دوسری طرف حکومت کو یہ منظور تھا کہ سبھاش چندر اپنے ملک کی سیاست میں کسی قسم کا حصہ لے سکیں۔ اُدھر آپ نے وہاں سے چلنے کی تیاری کی۔ ادھر آپ کی گرفتاری کے سامان ہونے لگے۔ جن دلولوں کو لے کر وطن کا رُخ کیا تھا۔ دل سے باہر نہ آسکے۔ راستے میں انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اطالوی جہاز کے کپتان نے آپ کو برطانوی پولیس کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جونہی آپ نے ہندوستان کے ساحل پر قدم رکھا تو پولیس افسروں کو اپنے گرد پایا۔ آپ کو حراست میں لے لیا گیا اور یرودا جیل میں نظر بند کر دیا گیا

اس دفعہ آپ کی گرفتاری پر بے پناہ ایجی ٹیشن کیا گیا۔ سنٹرل اسمبلی میں شری یت بھولا بھائی ڈیسائی نے تحریک التوا کا نوٹس دے کر حکومت کو مجبور کر دیا۔ کہ یا تو آپ پر مقدمہ چلایا جائے یا آپ کو رہا کر دیا جائے۔ ہاؤس آف کامنز میں وزیر ہند پر سوالات کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ اور آپ کی نظر بندی کو انصاف کے اصولوں کے خلاف قرار دیا گیا۔

رہائی کے بعد

ان دنوں حکومت ملک کو ناراض کرنا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ اپریل ۳۷ء میں صوبجاتی خودمختاری یعنی پراونشل آٹونومی کا نفاذ ہونا تھا۔ جس کے لئے حکومت کو کانگریس کے تعاون کی سخت ضرورت تھی۔ چنانچہ اصلاحات کا نیا دور شروع ہونے سے ایک ماہ پیشتر یعنی ماہ مارچ ۱۹۳۷ء میں سبھاش چندر بوس کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا گیا۔

اتنی لمبی نظربندی میں آپ کی صحت اس قدر شکستہ ہو چکی تھی کہ دوبارہ بصحت ہونے کے لئے بڑے بھاری آرام اور کئی ماہ کے مسلسل علاج کی ضرورت تھی۔ دائمی بیماری نے آپ کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ جس جسم کی سڈول بناوٹ کو دیکھ کر ایک وقت آنکھیں سیر ہوتی تھیں اور طبیعت خوش ہو جاتی تھی اب ہڈیوں کے پنجر کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ڈاکٹروں نے ڈلہوزی کی پہاڑیوں پر آرام کرنے کا مشورہ دیا۔

شریمتی گلاب دیوی اینٹی ٹیوبرکلوسز ہسپتال لاہور کے ماہر ڈاکٹر دھرم ویر کی ذاتی نگرانی تلے آپ نے ڈلہوزی کی پہاڑیوں میں کچھ دن کاٹے اور صحت آگے سے کچھ بہتر ہو گئی۔ قربانی کے اس مجسمہ کی شہرت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ جونہی ڈلہوزی کے ارد گرد کے دیہاتیوں کو پتہ چلا کہ ہندوستان کا یہ غازی مرد ان کے وطن میں علاج کے لئے آیا ہوا ہے تو کئی قسم کے تحفے لے کر آپ کے پاس آتے۔ ہر روز دیہاتیوں کا تانتا بندھا رہتا۔ کئی تو شہد، گھی

بادام وغیرہ اس قسم کے تحفے لے کر آتے تھے اور کئی آپ کے درشن کے لئے جمع ہو جاتے تھے۔

کچھ دن آپ نے ڈلہوزی میں کاٹے صحت آگے سے کچھ بہتر ہوئی اور کلکتہ میں پھر واپس آ گئے۔ ملک کے نوجوان آپ کی رہنمائی کے لئے بے تاب تھے۔ لاکھوں دعائیں ہر روز آپ کی صحت یابی کے لئے بارگاہ تعالےٰ میں پہنچتیں ڈاکٹروں نے ایک بار پھر یورپ جانے کا مشورہ دیا تاکہ جلدی ہی مکمل صحت حاصل ہو سکے۔

اس سے پہلے آپ کو جلاوطن ہو کر یورپ میں جانا پڑتا تھا۔ لیکن اب کا یہ سفر ایک سیر تھی۔ اپنی مرضی اپنے ڈاکٹروں کے مشورہ اور قوم کی دعاؤں کو ساتھ لے کر آپ جا رہے تھے۔ لندن شہر میں آپ کا نہایت پُرجوش استقبال کیا گیا۔ جاتے ہی آپ نے اپنی پہلی تقریر میں انگریز سیاستدانوں کو مطلع کر دیا کہ ہندوستان کے لوگ کسی شکل میں بھی فیڈریشن کو منظور کرنے کو تیار نہیں اور جب کبھی برطانیہ نے اسے زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی تو کانگرس پورے طور پر اس کی مخالفت کرے گی۔ اپنے قیام کے دوران میں آپ نے کم و بیش آدھی درجن تقریریں وہاں پر کیں۔ اور فیڈریشن کے متعلق ہندوستانی نقطہ نگاہ برطانوی مدبروں کے سامنے رکھ دیا۔ اس سے پہلے بھی آپ آئرلینڈ کے صدر مسٹر ڈی ویلرا سے کئی دفعہ ملے ہوئے تھے۔ لیکن اب کی بار اور دوستانہ تعلقات قائم کئے۔ اس کے علاوہ دیگر ملکوں کے لیڈروں سے بھی تبادلۂ خیالات کیا اور ہندوستان کی صحیح حالت کا نقشہ ان کے سامنے رکھا۔

باب چہارم

ہری پورہ کانگرس کی صدارت

یہ وہ وقت تھا۔ جبکہ کانگرس کا اکیاونواں اجلاس ہری پورہ میں ہونا قرار پایا تھا۔ پنڈت جواہر لعل نہرو کی دو سالہ صدارت نے اس کرسی کا عہدہ اور اس کی اہمیت اتنی بلند کردی تھی کہ کانگرس کے پُرانے لیڈروں کے واسطے اس جلیل عہدہ کو سنبھالنا بہت ہی مشکل ہو گیا تھا۔ پنڈت جواہر لال سے اگر ملک کو شکوہ ہے۔ تو وہ صرف یہ کہ آپ مہاتما جی کو کسی قیمت پر بھی ناراض کرنا نہیں چاہتے۔ واقعی مہاتما جی ایک ایسی عظیم الشان شخصیت ہیں کہ آپ کو ناراض کرنا چاہیئے۔ لیکن ملک کے مفاد پر اگر انگلستان کے لوگ اپنے شہنشاہ کو قربان کر سکتے ہیں۔ امریکہ کے لوگ اپنے سب سے عزیز رہنما کو کھلی عدالتوں میں کھڑا کر کے مجرم قرار دے سکتے ہیں تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ہندوستان کے مفاد پر کسی بھی شخصیت کو ترجیح دی جائے۔ خواہ وہ کتنا ہی نیک۔ محب الوطن اور پارسا کیوں نہ ہو۔ خواہ کتنی ہی قربانیاں اس نے ملک کی خاطر کیوں نہ کی ہوں۔ جہاں تک اس شخصیت کی حب الوطنی کا تعلق ہے۔ دنیا کے ہر آدمی کو آپ کی عزت کرنی چاہیئے۔ لیکن اگر کوئی موقع آ جائے کہ اس شخصیت سے کوئی ایسی بات سرزد ہو جائے اور پھر اس غلطی پر اڑا رہے تو ہر وقت ملک کو شخصیتوں کی پروا

کرنی چاہیئے۔ بلکہ ملک کے مفاد کو ترجیح دینی چاہیئے۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی سپاہیانہ ذہنیت۔ جذبۂ قربانی۔ سیاست دانی اور قابلیت سے شاید دنیا کے لیڈر بھی رشک کھاتے ہوں۔ لیکن اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ کمزوری آپ میں موجود ہے کہ صرف ایک شخصیت کی خوشنودی کی خاطر وہ کئی بار ملک کے مفاد کو نظرانداز کر جاتے ہیں۔

تو یہ ذکر چل رہا تھا کہ پنڈت جی نے جس مردانگی سے دو سالہ صدارت کو نبھایا۔ اُن کے بعد کسی ایسے ہی جوانمرد کی ضرورت تھی۔ جو اس عہدہ کی اہمیت کو دوبالا اور اونچا کر سکے۔ چنانچہ اس سال صدارت کے لئے چار نام تجویز ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد۔ خان عبدالغفار خان۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور بابو سبھاش چندر بوس۔

اول تو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ کہ اس مشکل فرض کو نبھانے کے لئے کسی انتھک نوجوان کی ضرورت تھی اور دوسرے یہ کہ آپ کی وطنی خدمات کے صلے میں اور آپ کی اتنی لمبی اور مسلسل قربانیوں کے پیشِ نظر پہلے ہر سہ بزرگوں نے اپنے نام واپس لے لئے۔ اور سبھاش بابو کو بلا مقابلہ اپنا صدر چُن لیا۔

آپ کو اس وقت معلوم نہ تھا کہ جو لوگ آج انہیں اس کرسی پر متمکن کرنے میں حصہ لے رہے تھے۔ انہیں لوگوں نے اس جانباز جرنیل کو ایک سال بعد اس قدر ذلیل کرنا ہے۔ اور اس کی سیاسی زندگی کو جی بھر کر ٹھوکریں لگانی ہیں کہ آپ کو مجبور ہو کر کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر وطن کی غربت پہ آنسو بہانے پڑینگے۔ یا تو آپ کو ایک موم کے کھلونے کی طرح یا ہوا کے مرغ کی طرح

بن جانے کی ضرورت تھی۔ اور اگر ملک کے مفاد اور اپنے اصول کے احترام میں ڈٹے تو عدم تشدد کے پیغمبروں نے اس بے رحمی سے پتھر دل بن کر ملک کی آرزو کا خون کیا کہ موت کی آغوش میں لوریاں لے رہے ہیں۔ محب الوطنوں کے سرتاج کی تشویشناک علالت ان کے دل کو نرم نہ کر سکی۔

تو خیر یہ آیندہ کی چیز تھی اور یہاں بھی اس کا ذکر آ گیا ہے۔ آپ صدر بن گئے۔ آپ اس وقت ولایت میں علاج کروا رہے تھے۔ آپ کو بذریعہ تار اس عزت سے مطلع کیا گیا کہ ملک آپ کی رہنمائی چاہتا ہے۔ علالت صحت کا تقاضا تھا کہ آپ اس بھاری ذمہ داری کو اٹھانے سے احتراز کرتے۔ لیکن قوم کے فیصلہ سے انکار کرنا آپ کی طاقت سے باہر تھا۔ پس سرنگوں کیا اور ملک کا شکریہ ادا کیا اور وطن کی راہ لی۔ ۱۴ جنوری ۱۹۳۸ء کو بذریعہ ہوائی جہاز کراچی پہنچے وطن نے آپ کو خوش آمدید کیا۔ مہاتما جی نے آشیرباد دی اور دوستوں نے مبارک کے پیغام بھیجے۔

اس اجلاس کے لئے دریائے تاپتی کے کنارے جگہ منتخب کی گئی۔ آنجہانی شری بٹ دٹھل بھائی پٹیل سابق صدر سنٹرل اسمبلی کی وطنی خدمات کی یاد تازہ کرنے کے لئے پنڈال کا نام دٹھل نگر رکھا گیا۔

ہری پورہ میں کانگریس کا اکیاونواں اجلاس تھا۔ استقبالیہ کمیٹی نے نشانی کے طور پر نگر کے اکیاون دروازے بنائے۔ نگر میں اکیاون سہ رنگے جھنڈے لہرائے گئے۔ اکیاون قومی گیت گائے گئے اور صدر منتخب کے شاندار جلوس کے لئے اکیاون بیلوں والا رتھ تیار کیا گیا۔ مہاتما جی کی کٹیا

پر لہراتا ہوا قومی جھنڈا قوم کو آزادی کا پیغام سنا رہا تھا۔ صاحب صدر اور پنڈت جواہر لعل نہرو کی جھونپڑی کے ارد گرد ہر وقت یاتریوں کا میلہ جا رہتا تھا۔ اہل وطن اپنے نوجوان رہنماؤں کے درشنوں کے لئے بے تاب نظر آتے تھے۔ کانگرسی صوبوں کے تمام وزراء اور ایم۔ ایل۔ اے اس شاندار سیشن میں شریک ہوئے تھے۔ چاروں طرف سفید کھدر میں ملبوس وطن کے رہنما اور سیاست دان سیاسی مباحثوں میں مشغول نظر آتے تھے۔ ہندو۔ سکھ مسلمان۔ پارسی۔ عیسائی ہر مذہب ہر طبقہ کے لوگ اس اجلاس میں شامل تھے۔ الغرض ہندوستانی سیاستدانوں کا یہ عظیم الشان اجتماع ملک کے افلاس کو دور کرنے اور ہندوستان کے لوگوں کے لئے سوراج حاصل کرنے کی عظیم جد وجہد میں مشغول نظر آتا تھا۔

۱۴ فروری کو ورکنگ کمیٹی کا اجلاس شروع ہونا تھا۔ ۱۲ فروری کو آپ وٹھل نگر میں پہنچ گئے۔ آپکا نہایت شاہانہ جلوس نکالا گیا۔ چاروں طرف سے راشٹر پتی کی جے کے نعرے سنائی دیتے تھے۔ جلوس اپنی نوعیت کا سب عظیم الشان اور عدیم النظیر نظارہ پیش کرتا تھا۔ دربار گوپال وائس صدر استقبالیہ کمیٹی آپ کے ساتھ رتھ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

نمائش کا افتتاح مہاتما جی نے اپنے دست مبارک سے کیا۔

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس ۱۶ فروری کو شروع ہوا۔ جبکہ پنڈت جواہر لال نہرو سابق صدر کانگرس نے پچھلے سال کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے صدر منتخب کو درخواست کی کہ کرسی صدارت کو سنبھالیں۔

بندے ماترم کے فلک شگاف نعروں اور قومی گیتوں کی عظیم الشان گونج کے درمیان شری بیت سبھاش چندر بوس نے کرسیٔ صدارت کو زینت بخشی۔

اِس وقت کانگرس کے سامنے دو عظیم پروگرام تھے۔ ایک طرف تو ہندوستان میں پنڈت گووند بلبھ پنت وزیر اعظم یو۔ پی اور مسٹر سری کرشن سنہا وزیر اعظم بہار نے سیاسی قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں اپنے اور اپنے وزرا کے استعفے اپنے صوبوں کے گورنروں کے حوالے کر دئیے تھے۔ دوسری طرف یورپ کی فضاؤں میں جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے۔ کانگرس کے اندر گرم دل کے لوگ ہائی کمانڈ پر زور دے رہے تھے۔ کہ سیاسی قیدیوں کے مسئلے پر تمام صوبوں میں تعطل پیدا کر دیا جائے اور جنگ کے متعلق بھی کانگرس اپنا رویہ صاف کر دے۔

کانگرس کا کھلا اجلاس ۱۹ فروری کو منعقد ہونا تھا۔ صبح سویرے صاحب صدر نے جھنڈے کی رسم ادا کر کے اپنی پہلی تقریر فرمائی تھی۔ جاگتے ہی وٹھل نگر میں لوگ جھنڈا چوک کی طرف تیاریاں کرنے لگے۔ جتھے کے جتھے بندے ماترم گیت گاتے ہوئے۔ باجے بجاتے ہوئے اور نعرے لگاتے ہوئے جھنڈا چوک پر پہنچ رہے تھے۔ دو لاکھ انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے عین درمیان بندے ماترم کے فلک شگاف نعروں میں شری بت سبھاش چندر بوس نے جھنڈا لہرانے کی رسم ادا کی اور ایک نہایت برجستہ تقریر کی۔ صوبہ یو۔ پی اور بہار کے تعطل کے متعلق آپ نے فرمایا۔

"جملہ علامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے سامنے ایک بڑی جنگ آنے والی ہے۔ جو تعطل یو۔ پی اور بہار میں پیدا ہوا ہے

صرف اُن ہی دو صوبوں سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ تو ایک بڑی لڑائی کا پیش خیمہ ہے جو کہ جلدی ہی تمام ملک کو اپنی لپیٹ میں لینے والی ہے۔ کانگریس ملک کی صحیح رہنمائی کرے گی کہ کس طرح حالات کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن میں اس سٹیج سے آپ کو آواز دیتا ہوں کہ کانگریس کی صدا پر لبیک کہکر اپنی قومی تاریخ کے اس نازک موقع پر ایک آدمی کی طرح متحد ہو کر صورت حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مصمم ارادہ کر لو۔"

صاحبِ صدر کی اس پہلی ہی تقریر سے آنے والے سال میں کانگریس کی پالیسی کا اظہار ہو رہا تھا۔ چرچے ہونے لگے کہ اس نئے آئین کو توڑنے کے لئے ایک نہایت ہی موزوں چوٹ اس سال میں دی جا سکتی ہے۔ نوجوانوں کی بکھری ہوئی اُمیدیں پھر ایک مرکز پر آنے لگیں اور ملک کو ایک نئے آفتاب کا طلوع نظر آنے لگا۔

کھلے اجلاس کی کارروائی دربار گوپال داس صدر استقبالیہ کمیٹی کے ایڈریس سے شروع ہوئی۔ آپ کا خطبہ نہایت ہی مختصر مگر اپنی نوعیت کی رُو سے بہترین تقریر تھی۔

آپ نے ۱۹۳۱ء کے پروگرام اور صدر کانگریس پر کامل اعتماد کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا:-

سیاسی یا دوسری کوئی تقریر کرنا میرا مقصد نہیں سیاسی اعلان صدر کانگریس کی طرف سے ہوں گے۔ میرا کام صرف آپ

لوگوں کو گجرات کیطرف سے خوش آمدید کہنا ہے۔"

"ہمیں آج اس شخصیت کی صدارت کی بخشش ہوئی ہے
جس کی زندگی قربانیوں۔ خدمات اور تکلیفات کا ایک نہ ٹوٹنے
والا ریکارڈ ہے . . . . . . مجھے اُمید ہے۔ اور میں پرزور التجا
کرتا ہوں کہ اپنے صدر کی قابل رہنمائی میں ہم اپنے منزل مقصود
کی طرف بڑھتے چلیں گے اور اپنی تواریخ میں اور شاندار ابواب
کا اضافہ کریں گے"۔

دربار گوپال داس کی پُر عقیدت اور متاثر تقریر کے بعد صاحب صدر نے اپنا بصیرت افروز خطبہ پڑھا۔ آپ نے اپنے صدارتی ایڈریس میں تمام ان حالات پر پوری متانت اور سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔ جن سے کہ ملک اس وقت گزر رہا تھا۔ وزرا کے استعفوں کے متعلق گو آپ نے جھنڈا چوک میں ہی کانگریس کی پوزیشن کو واضح کر دیا تھا۔ تاہم صدارتی خطبہ میں استعمال کئے گئے ذمہ دارانہ الفاظ تو حکام کو راہ راست پر لانے میں نہایت کامیاب ثابت ہوئے۔ علاوہ ازیں آئندہ جنگ کے متعلق جو کہ بادل یورپ کی فضاؤں میں ایک عرصہ سے منڈلا رہے تھے۔ کانگریس کی پوزیشن کو اچھی طرح وضاحت سے بیان کیا۔

اس میں شک نہیں کہ آپ کی یہ نوشت آئندہ سال کے لئے اپنی قومی جماعت کا لائحہ عمل تھا۔ لیکن جس قابلیت اور ذہانت سے آپ نے بین الاقوامی حالات پر روشنی ڈالی۔ وہ بھی کسی تعریف کی محتاج نہیں۔

آخر تین روز کے بعد دریائے تاپتی کے کنارے سے محب الوطنوں کا یہ میلہ ختم ہوا۔ اور ملک کے سیاستدان صاحب صدر پر کامل اعتماد کا اظہار کر کے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ سبھاش بابو جنہوں نے اپنی صحت کی انتہائی شکستگی کے باوجود اس بار گراں کو اٹھانے کا عظیم ارادہ کیا تھا۔ اس ارادے کی تکمیل میں اپنی صحت کی بحالی کے لئے شملہ کی پہاڑیوں یا ڈلہوزی کی صحت گاہوں کا رخ نہ کیا۔ بلکہ کمربستہ ہو کر تمام ملک کا دورہ کیا۔ اجلاس کے ختم ہوتے ہی آپ بمبئی پہنچے جو شاہانہ استقبال ہندوستان کے اس مشہور دروازہ Gate way of India پر کانگریس کے اس نوجوان صدر کا ہوا۔ بمبئی کے عظیم الشان شہر نے نہ دیکھا تھا اور نہ ہی دیکھا ہو گا۔

ملک کے کونے کونے میں آپ لے کانگرس کا پیغام پہنچایا۔

اپنے دوران صدارت میں سب سے زیادہ توجہ آپ نے ہندو مسلم اتحاد کی طرف کی۔ آپ نے مسلسل ملاقاتیں مسٹر جناح سے کیں لیکن مسلم امراء کے ہاتھ میں کھیلنے والے مسٹر جناح اپنی ضد پر اڑے رہے اور سمجھوتہ نہ ہو سکا۔

کانگرس وزارتوں کو مضبوط کرنے اور اس کی خامیوں کو دور کرنے میں بھی آپ نے بہت حصہ لیا۔ آسام کی کانگرس وزارت کا سہرا آپ ہی کے سر پر تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے سی۔ پی کے وزیر اعظم مسٹر کھرے اور مسٹر شریف تریپاٹھی کو برطرف کر کے تمام وزراء کو اچھی طرح سے واضح کر دیا کہ ذاتیات کی خاطر کانگرس کے اصولوں کو قربان کرنے والوں سے قطعی کوئی رعایت نہ کی جائے گی۔

گو مہاتما جی کی مرضی کا احترام کرتے ہوئے اور ملک کے اتحاد کے پیش نظر کئی باتیں سبھاش بابو نے اپنے دورہ میں ایسی کہیں جو کہ ایک انتہا پسند لیڈر سے متوقع نہ تھیں۔ تاہم گاندھی جی کی دلی رضامندی آپ کو حاصل نہ ہو سکی۔ گاندھی جی یہ سمجھنے لگ گئے تھے کہ آپ کی مرضی کو کسی وقت بھی ٹھکرایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ کانگرس کے باون اجلاس میں آپ نے اپنا جادو جھوڑا۔ جو سبھاش بابو کی گمشدگی تک کارفرما رہے گا۔

باب پنجم

تریپوری کانگرس

صدارتی مہم

کانگرس کا باونواں اجلاس اس سال تری پوری میں ہونا قرار پایا۔ صدارت کے لئے تین نام تجویز کئے گئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ڈاکٹر پٹابھی سیتیا رامیہ۔ اور بابو سبھاش چندر بوس۔ نوجوانوں کی یہ خواہش تھی کہ سبھاش بابو کو صدر بنایا جائے لیکن گاندھی جی اور دائیں بازو کے لیڈروں کی یہ خواہش تھی کہ آپ کو دوبارہ اس عہدہ پر منتخب نہ ہونے دیا جائے۔ اس کی وجوہات آنے والے چند بابات میں بالکل صاف ہو جائیں گی۔ لیکن فی الحال اتنا ہی لکھ دینا کافی ہوگا کہ فیڈریشن کی زوردار مخالفت سے جہاں حکومت گھبرا رہی تھی۔ وہاں کانگرس کے چند پرانے لیڈر بھی گھبراتے تھے۔ جن کے ہاتھ میں پچھلے بیس سال کانگرس کی باگ ڈور رہ چکی تھی۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ جس طرح پراونشل آٹونومی کو منظور کر لیا گیا ہے۔ فیڈریشن کو بھی چند ترمیموں کے بعد منظور کر لیا جائے۔ لیکن صدر کانگرس تو فیڈریشن کے سوال پر جیسا کہ آپ کی متعدد تقاریر سے ظاہر ہوتا تھا۔ حکومت سے ٹکر لینے کو بھی تیار تھے۔ چنانچہ ان بزرگوں نے تریپوری کی صدارت کے لئے خفیہ طور پر ساز باز شروع کر دی کہ اس دفعہ صدر کسی دائیں بازو کے

لیڈر کو بنایا جائے۔ لیکن اس کے برعکس ملک سبھاش بابو کو دوبارہ منتخب کرنا چاہتا تھا۔ گاندھی جی سمجھ چکے تھے کہ آپ کی صدارت میں فیڈریشن کے مسئلہ پر حکومت کے ساتھ کسی قسم کے سمجھوتے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔ آپ کو تو یہاں تک بھی شک تھا۔ کہ سبھاش بابو اس مسئلے پر آپ کے مشورہ کو بھی ٹھکرا دینگے۔ چنانچہ ان پرانے لیڈروں کی سازباز کو دیدہ و دانستہ نظرانداز کیا بلکہ اس سازش میں خود بھی شریک ہو گئے۔ سب سے پہلے آپ لوگوں نے مولانا ابوالکلام آزاد پر زور دیا کہ صدارت کو قبول کر لیں۔ لیکن خرابی صحت کی وجہ سے آپ نے اس عظیم ذمہ داری سے معذرت چاہی۔ ان بزرگوں کو خیال تھا کہ اگر مولانا اس کو قبول کر لینے تو ان کی کامیابی یقینی تھی۔ کیونکہ ملک آپ کو بہت احترام سے دیکھتا تھا۔ اور ان حالات میں جبکہ مسلمانوں کے ایک بڑے حصہ کی مخالفت کے باوجود کافی عرصہ سے آپ کانگریس کی رہنمائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ آپ کو ملک کے عوام کا اعتماد حاصل ہو چکا تھا۔ لیکن دائیں بازو کے لیڈروں کے وقار کی بدبختی سمجھئے آپ نے گاندھی جی کے سامنے اپنی مجبوریاں رکھ کر معذرت چاہی۔ اب ان پرانے بزرگوں نے فیصلہ کیا کہ ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ کو صدر بنایا جائے۔ وہ بھلے لوگ خود دستبردار ہونے کو تیار تھے۔ لیکن سبھاش بابو کو گرانے والے لوگوں نے آپ پر زور دیا اور آپ دستبردار نہ ہو سکے۔ اندریں حالات یہ فیصلہ ٹھہرا کہ مولانا آزاد دستبردار ہوتے وقت ایک بیان اخبارات میں دے دیں۔ جس میں ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ کے نام کی سفارش کی جائے۔ چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل مجوزہ بیان اخبارات میں دے کر اپنا نام صدارت کی امیدواری سے

مولانا آزاد کا بیان

"میرا نام اُن میں سے ہے جو کہ رسمی طور پر مختلف صوبوں کے ڈیلیگیٹوں کی طرف سے انڈین نیشنل کانگرس کی صدارت کے لئے تجویز ہوئے ہیں۔ میں نے سیکریٹری کو مطلع کر دیا ہے۔ کہ میں اپنا نام واپس لے رہا ہوں کیونکہ پچھلے مسلسل دو سال میں پارلیمنٹری سب کمیٹی کے کام کی مشغولیات کی وجہ سے میری صحت آگے سے خراب ہو گئی ہے۔ میں اس لئے محسوس کرتا ہوں کہ میں کانگرس کی صدارت کی ذمہ داری اور کام کا دباؤ برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوں۔

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ کا نام بھی تجویز کیا گیا ہے۔ وہ اپنا نام اس خیال کے ماتحت واپس لینے والے تھے کہ میں اپنا نام واپس نہیں لوں گا۔ لیکن میں خوشی کا اظہار کرتا ہوں کہ میں نے انہیں رضا مند کر لیا ہے کہ وہ ایسا نہ کریں۔ آپ کانگرس ورکنگ کمیٹی کے پرانے ممبر ہیں اور انتھک کارکن ہیں۔ میں انتخاب کے لئے ڈیلیگیٹوں سے آپ کے نام کی سفارش کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کا انتخاب متفقہ طور پر ہو گا۔

آج تک جتنے بھی انتخاب کانگرس کی صدارت کئے ہوئے تھے۔ اُن میں اس قسم کی دستبرداری کبھی بھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ اہلِ وطن یہ دیکھ کر حیران تھے کہ سبھاش بوس جیسے نوجوان جرنیل کے مقابلہ میں زبردستی امیدوار کھڑا کرنے کی آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ سبھاش بابو اس سازباز کی تہ میں فوراً پہنچ چکے تھے اور بعد میں ملک نے بھی بھانپ لیا کہ یہ بیان کسی سازش کا نتیجہ ہے

اب چونکہ اس مباحثہ کو ان بزرگوں کی طرف سے پبلک میں کھڑا کیا گیا تھا صدارتی انتخاب کے لئے اخبارات میں ڈاکٹر صاحب کے نام کی سفارش کی جا چکی تھی سبھاش بابو کے لئے اگر وہ انتخاب لڑنا چاہتے تھے تو ضروری تھا کہ اس بیان کے جواب میں اپنی پوزیشن کی وضاحت کر کے جادوگر کے اس طلسم کو طشت از بام کرتے۔ چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل جوابی بیان اخبارات میں بھیجا۔

سبھاش بابو کا جوابی بیان

" مولانا ابوالکلام آزاد کی دستبرداری سے پیدا شدہ صورت حالات کے پیش نظر اور آپ کا وہ بیان پڑھنے کے بعد جو کہ آپ نے اس سلسلہ میں دیا ہے میرے لئے ضروری ہے کہ آنے والے صدارتی انتخاب کے متعلق کچھ کہوں۔ اس سوال کو زیر بحث لاتے ہوئے تمام جھوٹی شرماری کو ایک طرف رکھنا ہوگا۔ کیونکہ معاملہ ذاتی نہیں ہے۔ ہندوستان میں سامراج شاہی کے خلاف جدوجہد کی تیزی اور ترقی نے نئے خیالات اصول سوالات اور پروگرام پیدا کر دیے ہیں۔ اندریں حالات لوگ اس خیال کے اردگرد گھوم رہے ہیں کہ دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی صدارتی انتخاب خاص پالیسی اور پروگرام کی بناء پر لڑے جائیں تاکہ ایسا مقابلہ اصول کو اور پبلک کے دماغ میں چلنے والے معاملات کو صاف طور پر عیاں کرنے میں معاون ثابت ہو سکے۔ ایسے حالات میں صدارتی انتخاب کوئی بری بات نہ ہوگی۔

اس وقت تک مجھے ایک بھی ڈیلیگیٹ سے کوئی رائے یا مشورہ موصول

نہیں ہوا کہ مجھے مقابلہ سے دستبردار ہو جانا چاہیئے۔ اس کے برعکس میری مرضی یا میرے علم کے بغیر کئی صوبوں کی طرف سے مجھے نامزد کیا گیا ہے۔ اور ملک کے مختلف حصوں سے مجھے سوشلسٹوں یا غیر سوشلسٹوں کی طرف سے دباؤ ڈالنے والی درخواستیں موصول ہو رہی ہیں کہ مجھے دستبردار نہ ہونا چاہیئے۔ اس کے علاوہ عام رائے نظر آتی ہے۔ کہ مجھے ایک سال کے لئے اور اس عہدہ کی خدمت کرنے کی اجازت ملنی چاہیئے۔ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ میرا یہ خیال صحیح نہ ہو اور میرا انتخاب ڈیلیگیٹوں کی اکثریت نہ چاہتی ہو۔ لیکن یہ تو ۲۹ جنوری سے پہلے پتہ نہیں چل سکتا۔ جب تک کہ ووٹیں ڈالی نہ جائیں۔

ایک کارکن کی حیثیت میں میری پوزیشن بالکل صاف ہے۔ میرے لئے کہنا نہیں کہ کس حالت میں مجھے سیوا کرنی چاہیئے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو کہ اہل ملک اور خاص کر موجودہ حالت میں میرے ڈیلیگیٹ بھائیوں نے فیصلہ کرنا ہے۔ لیکن اگر اور جب مجھے کسی خاص خدمت کے لئے حکم ملے تو میرا کوئی حق نہیں کہ میں اس سے انکار کر سکوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اپنے فرض کی کوتاہی کا مرتکب ہوں گا۔ اگر میں کسی ایسی ذمہ داری سے ہٹنے کی کوشش کروں۔ جو کہ مجھ پر ڈالی جائے۔ بڑھتی ہوئی بین الاقوامی کشمکش اور فیڈریشن کے مسئلے پر ہونے والی جدوجہد کے پیش نظر نیا سال ہماری قومی تاریخ میں خاص اہم ہوگا۔ اس یا دیگر وجوہات کی بنا پر اگر ڈیلیگیٹوں کی اکثریت کیطرف سے اس عہدہ پر میری خدمات کا مطالبہ کیا جائے تو میں کس انصاف سے مقابلہ سے اپنا نام واپس لے سکتا ہوں۔ جبکہ معاملہ قطعی طور پر ذاتی نہیں ہے۔ تاہم اگر مولانا آزاد جیسے

سرکردہ لیڈروں کی طرف سے کی گئی اپیل کے نتیجہ پر اگر ڈیلیگیٹوں کی اکثریت نے میرے انتخاب کے خلاف ووٹ دئیے تو میں نہایت فرمانبرداری کے ساتھ اُن کے اس فیصلہ کو تسلیم کرلوں گا اور ایک معمولی سپاہی کی طرح کانگریس اور ملک کی سیوا کرتا چلا جاؤں گا۔ ان تمام خیالات کے پیش نظر میں مجبوری سے یہ محسوس کرتا ہوں کہ مقابلہ سے دستبردار ہونے کا میرا کوئی حق نہیں۔ اس لئے میں اپنے آپ کو بغیر کسی سوچ کے اپنے ڈیلیگیٹ بھائیوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیتا ہوں۔ اور اُن کے فیصلہ پر قائم رہوں گا۔"

کسی بھی سمجھدار انسان کو سبھاش بابو کی دی گئی وجوہات کی صحت سے انکار نہیں ہوسکتا۔ آج سے پیشتر کانگریس کی صدارت کے لئے پبلک طور پر کبھی بھی کوئی مباحثہ دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ لیکن سردار پٹیل اور ان کے ساتھیوں کی ساز باز اور مولانا آزاد کے بیان نے اس بار صدارتی انتخاب کو پبلک مباحثہ کی شکل دے دی تھی۔ جمہوری انتخابات میں اپنی یا اپنے ساتھیوں کی امیدواری کے لئے دلیل پیش کرنا کوئی بری بات نہیں لیکن جس ملک میں انتخاب ہمیشہ متفقہ طور پر دیکھنے میں آتے ہوں وہاں کے لوگوں کو ایسی باتیں کچھ عجیب سی نظر آتی ہیں۔ سبھاش بابو نے اپنے بیان میں صاف طور پر واضح کر دیا کہ دوسرے ممالک میں انتخاب ہمیشہ کسی پالیسی یا پروگرام پر لڑے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں اس سے پہلے کسی نئے پروگرام کی بنا پر کبھی بھی یہ انتخاب نہ لڑے گئے تھے۔ لیکن اب کی بار فیڈریشن ایک ایسا مسئلہ ملک کے سامنے آگیا۔ جس کی بنا پر انتخاب لڑنا ضروری ہو گیا۔

تھا۔ اس میں شک نہیں کہ جب کبھی کانگرس کے اندر انتہا پسند عنصر نے قدم رکھنے کی کوشش کی تو کانگرس کی موجودہ لیڈر شپ نے اس کی بے حد مخالفت کی۔ یہاں تک کہ اپنی طاقت کو برقرار رکھنے کی غرض سے اپنے موجودہ اثر و رسوخ کا پورا استعمال کیا اور اپنے سیاسی مخالفوں کو سخت بدنام اور ذلیل کرنے سے بھی احتراز نہ کیا۔ لیکن اگر کسی وقت انتہا پسند کامیاب ہو گئے تو اُن قابض لیڈروں کو کانگرس کو قطعی طور پر چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ ملک کے سامنے بال گنگا دھر تلک اور ازقسم متعدد مثالیں موجود ہیں۔ ہر چند کوشش کی گئی کہ آپ کو کانگرس کی ایگزیکٹو پوزیشن تک دخل حاصل نہ ہو سکے۔ لیکن جب آپ کی حب الوطنی، جذبۂ قربانی اور دلیری نے ملک پر غلبہ پا لیا تو ماڈریٹوں کو پیچھے ہٹنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔

یہی حالت سبھاش بابو کے متعلق تھی۔ آپ کے مخالف تو اس امر کا مصمم ارادہ کر چکے تھے۔ کہ اب کی بار اُن کو کرسئی صدارت پر متمکن نہ ہونے دیا جائیگا لیکن آپ کی قربانی اور حب الوطنی نوجوانوں کے دلوں میں گھر کر چکی تھی۔ اس کے علاوہ جو دلائل آپ نے ملک کے سامنے رکھیں ان میں خلوص دلی۔ دیانتداری اور حب الوطنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ آپ کی جرأت قابلیت اور دلیری کی ہر طرف سے داد دی گئی اور نوجوانوں کے علاوہ بھی کانگرسیوں کی ایک خاصی تعداد آپ کی صدارت چاہنے لگی۔

اس کے برعکس ملک کے بڑے لیڈر اس چیز پر مصر تھے کہ ڈاکٹر پٹیہ بھی سیتارامیہ کو صدر بنایا جاوے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُن کو یہ

بھی شبہ تھا کہ کہیں ملک آپ کی قابلیت ۔ قربانی اور خلوص دلی اور فیڈریشن کے مسئلہ پر آپ کے بیان کئے گئے رویہ کے پیش نظر ڈاکٹر صاحب کو ترجیح دینے سے انکار نہ کر دے ۔ چنانچہ ان بزرگوں نے اپنا ذاتی اثر و رسوخ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ۔ اور سردار پٹیل ۔ بابو راجندر پرشاد ۔ مسٹر جےرام داس ۔ دولت رام ۔ آچاریہ کرپلانی ۔ مسٹر شنکر راؤ دیو اور مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی ۔ ورکنگ کمیٹی کے چھ سرکردہ ممبروں نے ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ کی حمایت میں مندرجہ ذیل متحدہ بیان جاری کیا

ورکنگ کمیٹی کے چھ ممبران کا مشترکہ بیان

ہم نے سبھاش بابو کے بیان کو جتنے بھی غور کے یہ مستحق تھے ۔ اس کے ساتھ پڑھا ہے ۔ جہاں تک ہم جانتے ہیں ۔ اس وقت تک صدارتی انتخاب متفقہ طور پر ہوتے رہے ہیں ۔ سبھاش بابو نے ایک نیا رواج پیدا کر دیا ہے ۔ جس کا کہ انہیں کرنے کا مکمل اختیار تھا ۔ جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے ۔ اس کی عقلمندی صرف تجربہ کے بعد ہی پتہ لگ سکتی ہے ۔ ہمیں اس کے متعلق عظیم شکوک ہیں ۔ صدارتی انتخاب کو ایک مقابلہ بنانے سے بیشتر ہم نے زیادہ کانگرس کے اتحاد ۔ زیادہ تحمل اور ایک دوسرے کی رائے کے احترام کا زیادہ انتظار کیا ہوتا ۔ ہم نے بخوشی اس بیان پر کچھ کہنے سے احتراز کیا ہوتا ۔ لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم اپنے فرض کی کوتاہی کریں گے ۔ جبکہ ہم آنے والے انتخاب کے متعلق معین رائے رکھتے ہیں

یہ ہمارے لئے نہایت ہی افسوس کا مقام تھا کہ مولانا صاحب کو مقابلہ

سے دستبردار ہونا پڑا ۔ لیکن جب آپ نے دستبردار ہونے کا آخری فیصلہ کر لیا تھا تو آپ نے ہم سے کچھ مشورہ کے ساتھ ڈاکٹر پٹابھی کے انتخاب کی سفارش کی تھی ۔ فیصلہ کافی غور کے ساتھ کیا گیا تھا ۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ایک ہی صدر کو ماسوائے خاص حالات کے دوبارہ منتخب نہ کرنا ایک معقول پالیسی ہے ۔

"اپنے بیان میں سبھاش بابو نے فیڈریشن کی مخالفت کا ذکر کیا ہے ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبر اس کے حق میں ہیں ۔ یہ کانگریس کی پالیسی ہے ۔ آپ نے اصولوں پالیسی اور پروگرام کا بھی ذکر کیا ہے ۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ یہ تمام صدارتی انتخاب پر غور کرنے کے لئے معقول نہیں ۔ کانگریس کی پالیسی اور پروگرام اس کے مسلسل صدر مقرر نہیں کرتے ۔ اگر یہ ہوتا تو آئین اس عہدہ کی معیاد ایک سال کی حد تک نہ رکھتا ۔ پالیسی اور پروگرام جو کہ خود بھی کانگریس مقرر نہیں کرتی ۔ ورکنگ کمیٹی کی طرف سے مقرر کئے جاتے ہیں ۔ صدر کی پوزیشن محض ایک کرسی نشین کی سی ہے ۔ اس سے بڑھکر صدر کسی آئینی سلطنت کی طرح قوم کے اتحاد و اتفاق کی نمائندگی کرتا ہے ۔

یہ عہدہ اس لئے صحیح طور پر ایک بڑی عزت تصور کیا گیا ہے ۔ ایسا ہونے کی حیثیت میں قوم نے جتنے بھی کہ سالانہ انتخاب منعقد ہو سکیں اپنے زیادہ سے زیادہ عظیم الشان فرزندان کو یہ عزت بخشنے کا ارادہ کیا ہے ۔ انتخاب جیسے کہ اس عظیم عہدہ کے بالکل مستحق ہے ۔ ہمیشہ متفقہ ہوتے رہے ہیں اس لئے انتخاب کے معاملہ پر کشمکش خواہ وہ پالیسی اور پروگرام کے مسئلے پر ہی کیوں نہ ہو ۔ ضرور ناپسند ہونی چاہیئے ۔ ہمیں یقین ہے کہ ڈاکٹر پٹابھی کانگریس کی

صدارت کے بالکل قابل ہیں۔ آپ ورکنگ کمیٹی کے سب سے پرانے ممبران میں سے ہیں۔ اور آپ کو ایک لمبی اور مسلسل پبلک خدمات کی نیک نامی کا شرف حاصل ہے۔ اس لئے صدارت کے لئے ڈیلیگیٹوں کو ہم آپ کے نام کی سفارش کرتے ہیں۔ ہم سبھاش بابو کے ساتھیوں کو بھی کہینگے۔ کہ سبھاش بابو کو کہیں کہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں اور ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ کا انتخاب متفقہ ہونے دیں ؟

یہاں ایک عجیب حالت رونما ہو گئی تھی۔ سبھاش بابو سال رواں کے صدر تھے۔ اور بیان جاری کرنے والے بزرگ آپ کے نامزد کئے گئے کیبنٹ کے ممبر تھے۔ یہ پوزیشن کبھی بھی کسی ملک میں دیکھنے میں نہ آئی تھی کہ کیبنٹ کے ممبران نے اندرونی طور پر صاحب صدر کے برخلاف سازشیں کی ہوں۔ در حقیقت اگر دیکھا جائے۔ تو ورکنگ کمیٹی کے ممبران کی یہ کارروائی نہ صرف خلاف آئین تھی بلکہ دوست دشمنی کے مترادف تھی۔ ان لوگوں نے صاحب صدر کو اندھیرے میں رکھکر ظاہراً آپ کی رہنمائی قبول کرتے ہوئے اندرونی طور پر آپ کو گرا کر ذلیل کرنے کی کوشش کی۔

ان بزرگوں کا یہ موجودہ بیان عوام کو گمراہ کرنے کے لئے ایک نہایت عجیب سلیس عبارت میں لکھا گیا تھا۔ ان حضرات نے پچھلے پچیس برس ملک کی رہنمائی کر کے عوام کے جذبات اور ان کی نگاہ پسندیدگی کو اچھی طرح سے سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ یہ بیان جاری کرتے وقت اس دلیل کو قطعاً نظر انداز کر دیا۔ کہ سبھاش بابو کی مخالفت کن وجوہات کی بنا پر کی جا رہی ہے

وہ یہ تو بیان نہ کرسکے کہ سبھاش بابو نے کیا وطن دشمنی کی ہے۔ جس کی بنا، پر آپ کو گرانے کی سازباز ہو رہی ہے۔ آپ نے کیا نااہلیت کا ثبوت دیا ہے۔ کہ آپ کے بلامقابلہ انتخاب کے راستے میں روڑا اٹکایا گیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس ڈاکٹر پٹا بھی سیتارامیہ کی مدحت سرائی کرتے گئے۔ کہ صدارت ایک ایسی عزت ہے۔ جو ملک کے زیادہ سے زیادہ محترم فرزندان کو حاصل ہونی چاہیئے۔ اس بات پر تو سارا ملک ہی شاید متفق ہوگا۔ کہ یہ عزت واقعی ملک کے زیادہ سے زیادہ قابل فرزندان کو نصیب ہونی چاہیئے۔ لیکن اس بات کو ملک سمجھ نہ سکا۔ کہ جب صوبوں کی اکثریت نے آپ کے نام کی سفارش کی۔ اور ڈاکٹر موصوف دستبرداری کے لئے تیار بھی تھے تو اُن کو جبراً کھڑا کرکے سبھاش بابو کو گرانے کی کوشش کی گئی۔ بیان کے مصنفین نے اس بات پر زور دیا کہ پرانے اصول اور طریقہ کے مطابق اُن کے خیال میں ایک ہی آدمی کا دوبارہ انتخاب ضروری نہ تھا۔ اس دلیل کی حقیقت افشائے ہوئے تو ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا۔ جبکہ پنڈت جواہر لال کو مسلسل دوبارہ صدر منتخب کیا گیا۔ کیا اس وقت کوئی موزوں شخصیت ایسی صدارت کے مستحق نہ تھی۔ کیا اس وقت ڈاکٹر صاحب ورکنگ کمیٹی میں موجود نہ تھے۔ اور کیا اس وقت ڈاکٹر صاحب کی خدمات کچھ کم تھیں اور اس پچھلے ایک سال میں آپ نے کوئی خاص ایسی معرکہ خیز قربانی کرکے اپنے آپ کو صدارت کا مستحق بنالیا تھا۔ یقیناً یہ بات نہ تھی۔ ملک کے سامنے کوئی خاص وجوہات نہ اس وقت موجود تھیں اور نہ اب۔ فرق تھا تو صرف پالیسی کا۔ سبھاش بابو اپنے دوران صدارت میں اس سے پہلے

بھی پرلے درجے کے انتہا پسند ثابت ہوئے تھے۔ برطانوی سامراج سے کسی قسم کے سمجھوتہ کے آپ ہمیشہ برخلاف رہے تھے۔ فیڈریشن ایک ایسا مسئلہ تھا جس کی بنا پر ان بزرگوں کا خیال تھا کہ اگر چند ترمیموں کی منظوری پر سمجھوتہ ہوسکا تو اس کو ترجیح دی جائے گی۔ لیکن ایک ایسے صدر کی موجودگی میں جو کمال انتہا پسند عادات کا مالک تھا۔ اُن کو یقین ہو چکا تھا کہ کسی بھی سمجھوتہ کی اجازت نہ مل سکے گی۔ اور ان کو من مانی کارروائیوں میں کامیابی نہ ہو سکے گی۔

اس سے بڑھکر اُن لوگوں کو یہ بھی توقع تھی کہ اس مسئلہ پر شاید مہاتما جی کی رائے کا بھی مکمل احترام نہ ہو سکے۔ چنانچہ ان وجوہات پر پردہ ڈال کر موثر نوٹر کر ملک کے سامنے ایسی دلائل پیش کی گئیں۔ جس سے عوام کی تسلی نہ ہو سکی اور سبھاش بابو کی کامیابی یقینی نظر آنے لگی۔

اسی بیان پر ہی اکتفاء ہوا۔ بلکہ دوسرے ہی روز ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ سے ایک طویل بیان جاری کروایا گیا کہ کیوں آئندہ سال کے لئے انہیں صدر منتخب کیا جائے۔ یہ بیان بھی خالی از دلچسپی نہیں۔ اس میں سے چند اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ کا بیان

"یہ سچ ہے کہ میری نامزدگی میرے علم کے بغیر وقوع میں آئی۔ لیکن اس کی توقع کرنے کے لئے میرے پاس وجوہات موجود ہیں۔ کیونکہ ایک عرصہ سے جنوبی ہندوستان سے عام طور پر اور اندھرا سے خاص کر اس متفقہ خواہش کا اظہار ہو رہا ہے کہ جنوب سے اندھرا کے کانگرسیوں کو موقع دیا جائے"

آگے چل کر آپ نے مزید فرمایا :۔

"جب مولانا نے اپنا نام واپس لے لیا اور اپنی دستبرداری کے ساتھ اپنی نیک خواہشات اور امیدیں میرے انتخاب کی کامیابی کے ساتھ وابستہ کر دیں اس وقت بھی میرے پاس یہ یقین کر لینے کے لئے کافی وجوہات موجود ہیں۔ مولانا کی امیدواری کے بعد یہ امر اختیاری ہے کہ میرا نام ورکنگ کمیٹی کے میرے ساتھی اور دوسری جگہ بھی پسند کیا جائے گا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری نامزدگی میرے لئے ایک فرض کی سرانجام دہی کے لئے پبلک کا حکم ہے۔ جو کہ مجھے تھوڑا سا بھی نامنظور نہ کرنا چاہیئے۔"

آخر میں آپ نے کہا " اگر میں منتخب ہو گیا تو میں اپنی کامیابی کو ریاستوں میں کام کرنے کی پسندیدگی کا عوضانہ سمجھوں گا۔ میں اندھرا کانگرس کمیٹی کے صدر اور ورکنگ کمیٹی کے ممبر کے طور پر کام کر رہا ہوں۔ مجھے کانگرس کے اندر بے ضابطگی اور خرابی کے کافی واقعات کو دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ اگر میں منتخب کیا گیا تو میں اپنے گھر کو پہلے صحیح طریقہ پر لانے کے لئے

کوشش کروں گا۔"

"ایک چیز بیان کرنے کے لئے رہ گئی ہے۔ مجھے سبھاش بابو کے حق میں کیوں نہ دستبردار ہو جانا چاہیئے؟ میں نہیں کر سکتا کیونکہ میں اپنے ساتھیوں کی مرضی کے خلاف بالکل نہیں جا سکتا۔ میں بخوشی دستبردار ہو جاتا۔ اگر میں نے اپنے ساتھیوں کا مشورہ نہ لیا ہوتا کہ خاص وجوہات کے ماسوائے مسلسل دوبارہ انتخاب نہ ہونا چاہیئے۔ موجودہ حالات میں کوئی خاص ایسی وجوہات نہیں۔"

ورکنگ کمیٹی کے چھ ممبران کے متحدہ بیان اور ڈاکٹر صاحب کے اپنے بیان نے کئی اور بیانات کی تمہید باندھ دی۔ سبھاش بابو کے حامی آپ کے حق میں بیانات جاری کرنے لگے اور گاندھی جی کے پیروکار آپ کی مخالفت میں کچھ کہنے اور لکھنے شروع ہو گئے۔ اخبارات میں ایک باقاعدہ مباحثہ سا شروع ہو گیا۔ ایک طرف سے کچھ کہا جاتا اور دوسری طرف سے تردید کی جاتی۔ ۲۹ ر جنوری کو انتخاب ہونا تھا۔ صرف چار یوم لقبایارہ گئے تھے۔ دونوں اطراف سے کنویسنگ جاری تھی۔ اب سبھاش بابو پر لازم ہو گیا تھا کہ گمراہی کا جو پردہ اہل وطن کے سامنے ڈالا گیا ہے اُسے نوچ کر اصل حقیقت کو ملک کے سامنے رکھ دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے ایک نہایت سنسنی خیز بیان جاری کیا۔ جو کہ نہ صرف مندرجہ بالا بیانات کا مدلل جواب تھا۔ بلکہ اس میں چند ایسے حیرت انگیز انکشافات بھی موجود تھے جو سبھاش بابو کا پلڑا بہت زیادہ بھاری کر گئے اور مخالفین کی پوزیشن کو بجد کمزور کر گئے۔ آپ نے لکھا

سبھاش بابو کا دوسرا بیان

"صدارتی انتخاب کا حل طور پر ڈیلیگیٹوں کا کام ہے۔
اور انہی تک اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔ اس آخری وقت پر بھی دائیں بازو والے جو کہ خاصی اکثریت میں ہیں آئیں اور بائیں بازو کا کوئی اُمیدوار منظور کر کے انہیں واضح کر دیں"۔

میرے لئے یہ بے حد تکلیف کا کام ہے کہ مجھے ورکنگ کمیٹی کے چند نامور ساتھیوں کے ساتھ ایک پبلک مباحثہ میں اُلجھنا پڑ گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ معاملات موجود ہیں میرے لئے اس معاملہ میں کوئی چارہ نہیں۔ پہلا بیان جو کہ میں نے ۲۱ر جنوری کو دیا تھا مجھے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے بیان کے جواب میں مجبوری دینا پڑا تھا۔ اور جو کچھ میں اب کہہ رہا ہوں سردار پٹیل اور دیگر لیڈروں کے چیلنج کرنے والے بیان کا مجبوری جواب ہے"۔

"یہ پبلک مباحثہ شروع کرنے کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ بلکہ میرے ممتاز ساتھیوں پر عائد ہوتی ہے۔ ورکنگ کمیٹی کے دو ممبران کے انتخابی معاملہ میں دوسرے ممبران سے توقع نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ وہ منظم صورت میں ایک آدمی کی حمایت شروع کر دیں۔ کیونکہ ظاہرا طور پر یہ مناسب

نہیں۔ سردار پٹیل اور دوسرے لیڈران نے انفرادی کانگریسی ہونے کی حیثیت میں نہیں بلکہ ورکنگ کمیٹی کے ممبران کی حیثیت میں بیان جاری کئے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں۔ کیا یہ مناسب ہے۔ جبکہ ورکنگ کمیٹی نے اس معاملہ پہ کوئی بحث نہیں کی۔

"ہمیں پہلی بار بیان میں بتایا گیا ہے کہ ڈاکٹر پٹابھی کے انتخاب کی حمایت کرنے کا فیصلہ غور و خوض کے بعد کیا گیا ہے۔ نہ مجھے اور نہ ہی ورکنگ کمیٹی کے میرے کئی ساتھیوں کو اس وچار یا اس فیصلہ کا کچھ علم یا کچھ خیال ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ دستخط کرنے والوں نے بحیثیت ورکنگ کمیٹی نہیں بلکہ منفرداً کانگریسی ہوتے ہوئے بیان جاری کیا ہوتا۔

"اگر صدارتی انتخاب حقیقی معنوں میں انتخاب ہوتا ہے تو بغیر کسی اخلاقی دباؤ کے رائے شماری (ووٹنگ) کامل آزادی سے ہونی چاہیئے۔ تو کیا اس قسم کا بیان اخلاقی دباؤ کے مساوی نہیں!

"اگر صدر کو ورکنگ کمیٹی کے سرکردہ ممبروں نے نامزد نہیں کیا۔ بلکہ ڈیلیگیٹوں نے منتخب کرنا ہے تو کیا سردار پٹیل اور دیگر لیڈران اپنا تازیانہ واپس لیں گے اور ڈیلیگیٹوں تک چھوڑ دینگے کہ جس طرح چاہیں ووٹنگ (رائے شماری) کریں؟ اگر ڈیلیگیٹوں

کو ووٹ دینے کی آزادی دی جائے تو انتخابی مقابلہ کے معاملہ میں ذرا بھی خشک نہیں ہوگا۔ وگرنہ انتخاب کرنے کے سلسلہ کو ختم کیوں نہ کر دیا جائے ۔ اور صدر کو ورکنگ کمیٹی کی طرف سے نامزد کر والیا جایا کرے ۔

" یہ میرے لئے ایک نئی بات ہے کہ ما سوائے خاص حالات کے ایک ہی آدمی کو دوبارہ صدر منتخب نہ کیا جائے ۔ اگر کانگرس کی تواریخ کی تحقیق و تدقیق کی جائے تو پتہ چل جائیگا کہ کئی بار اسی آدمی کو ایک سے زیادہ بار صدر منتخب کیا گیا ۔

مجھے یہ سن کر تعجب ہوا ہے کہ صدارتی انتخاب آج تک متفقہ چلے آئے ہیں ۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے ایک امیدوار کو دوسرے امیدوار پر ترجیح دیتے ہوئے کئی بار ووٹ دیا ہے ۔

صرف انہی چند سالوں میں انتخاب متفقہ ہوئے ہیں ۔ ۱۹۳۴ء میں کانگرس کے نئے آئین کو اپنانے کے بعد ورکنگ کمیٹی کو غیر عملی طور پر صدر کی طرف سے نامزد کی جاتی ہے ۔ اس وقت سے صدر کا آئینی کاوقار اور اونچا ہو گیا ہے ۔ چنانچہ یہ قدرتی امر تھا کہ صدر کانگرس اور اس کے انتخاب کے گرد نئے رواج پیدا ہو جائیں ۔

صدر کی پوزیشن آج ایک میٹنگ کے چیرمین کے

مترادف نہیں۔

صدر ایک وزیر اعظم کی طرح ہے یا امریکہ کے صدر کی طرح ہے جو اپنا کیبنٹ خود نامزد کرتا ہے۔ صدر کانگریس کو ایک آئینی حکمران کی طرح کہہ دینا قطعاً غلط ہے۔ میں مزید یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پالیسی اور پروگرام کا سوال بالکل بے موقع نہیں ہے۔ یہ سوال صدر کانگریس کے انتخاب کے سلسلہ میں کسی وقت کے کھڑے ہوئے ہوتے اگر یہ درست نہ ہوتا کہ ۱۹۳۴ء کی کانگریس کے بعد ہر سال دائیں اور بائیں ہر دو بازوؤں کی امداد کے ساتھ ایک بائیں بازو کا لیڈر منتخب ہوتا رہا ہے۔ اس طریقہ سے جدائی اختیار کر کے صدارت کے لئے دائیں بازو کا ایک نیا امیدوار کھڑا کر لینا کسی خاص خصوصیت کے بغیر نہیں۔

"یہ بہت کافی یقین کیا جاتا ہے کہ اگلے سال فیڈرل سکیم کے مسئلہ پر دائیں بازو کے لیڈروں اور برطانوی حکومت کے درمیان معاہدہ ہونے والا ہے۔ چنانچہ دائیں بازو والے یہ نہیں چاہتے۔ کہ کوئی بائیں بازو کا لیڈر صدر بن جائے جو کہ اس معاہدہ کے راستہ میں کانٹا ثابت ہو سکے۔ اور جو صلح کے نامہ و پیام کے راستے میں روڑا اٹکا سکے۔

یہ احساس کرنے کے لئے کہ یہ یقین کتنا پھیلا ہوا ہے

پبلک میں بھر کر اور ان کے ساتھ مباحثے کرنے سے پتہ چلتا ہے۔ اِن حالات میں اس لئے یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ کوئی ایسا صدر بنایا جائے۔ جو کہ تہ دل سے فیڈریشن کے سخت مخالف ہو۔

حقیقتاً یہ افسوس کا مقام ہے کہ میرا نام صدارت کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ میں نے متعدد دوستوں کو تجویز کیا تھا کہ اس سال بائیں بازو کا کوئی نیا امیدوار کھڑا کیا جائے لیکن بدقسمتی سے وہ نہ ہو سکا۔ اور میرا نام کئی صوبوں سے تجویز کیا گیا۔ اس آخری وقت پر بھی میں مقابلہ سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں۔ مثال کے طور پر آئندہ سال اگر اچاریہ نریندر دیو جیسا فیڈریشن کا مخالف بطور صدر منظور کر لیا جائے۔

اگر دائیں بازو والے واقعی نئی اتحاد و اتفاق چاہتے ہیں تو ان کو یہ صحیح مشورہ دیا جاتا ہے کہ کسی بائیں بازو والے کو اپنا صدر منتخب کر لیں۔ انہوں نے دائیں بازو کے امیدوار کو بضد ہو کر اور خاص کر جس نازیبا طریقہ پر انہوں نے ایک امیدوار کھڑا کیا ہے۔ جو کہ دستبردار ہو رہا تھا اور جسے یہ سن کر تعجب ہوا کہ اس کا نام صدارت کے لئے تجویز کیا گیا ہے کئی غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں۔

"اِن غیر معمولی حالات میں جو کہ اس وقت ہمارے ملک

میں موجود ہیں۔ صدارتی انتخاب فیڈرل سکیم کے خلاف جنگ کا ایک حصہ ہے اور ایسا ہونے کی صورت میں ہم اس کیساتھ بے غرض ہونا گوارا نہیں کر سکتے۔ ملک کے سامنے حقیقی سوال فیڈرل سکیم کا ہے۔ تمام وہ جو اس نازک وقت پر فیڈریشن کے خلاف جدوجہد کرے۔ اور ملک کا اتحاد قائم رکھنے میں اعتقاد رکھتے ہیں انہیں ایسے اُمیدوار پر بضد ہونے سے جو کہ خود بجود دستبردار ہو رہا تھا۔ کانگرس میں نفاق ڈالنے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے۔

"صدارتی انتخاب کامل طور پر ڈیلیگیٹوں کا معاملہ ہے اور اُسے انہی تک چھوڑ دینا چاہیئے۔ دائیں بازو والے جو کہ کانگرس میں خاص اکثریت میں ہیں۔ اس آخری وقت رائیں اور کسی بائیں بازو کے لیڈر کو منتخب کر کے واضح کر دیں۔ مجھے اُمید ہے کہ میری اپیل رائیگاں نہ جائے گی۔"

ملک اس مباحثہ کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ اِن غیر متوقع واقعات کو روشنی میں لاکر سبھاش بابو نے بائیں بازو کے لیڈروں کے لیئے ایک عجیب پوزیشن پیدا کر دی تھی۔ ملک کے لوگ جو کہ آگے ہی جانتے تھے کہ مہاتما جی اور ان کے پیروکار چند ترمیموں کے بعد پراونشل آٹونومی کی طرح فیڈریشن کو بھی منظور کر لیں گے۔ اِن انکشافات کا اُن پر بہت ہی اثر ہوا۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ سبھاش بابو کے لگائے گئے الزامات شاید ٹھیک ہی۔

ہی ہوں گے۔ دائیں بازو کے لیڈروں کو اب یا تو یہ الزامات تسلیم کر کے خاموش ہو جانا چاہیئے تھا۔ یا ان کی تردید کر کے ملک کے سامنے اپنی پوزیشن واضح کرنی لازمی ہو گئی تھی۔ چنانچہ سردار پٹیل نے مندرجہ ذیل تردیدی بیان جاری کر کے اپنی پوزیشن کو صاف کرنے کی کوشش کی:-

سردار پٹیل کا بیان

"سبھاش بابو کا بیان بہت عجیب ہے۔ تمام واقعات یوں ہیں:-

سنہ ۱۹۲۰ء سے لے کر تقریباً ہر معاملہ میں ورکنگ کمیٹی کے چند ممبران بے ضابطہ مشورے کرتے ہیں۔ جب مہاتما گاندھی ورکنگ کمیٹی میں ہوتے تھے تو وہ انتخاب کے لیے کسی نام کی سفارش کر کے رہنمائی کیا کرتے تھے۔ لیکن کانگرس سے آپ کی دستبرداری کے بعد آپ نے ایسے بیان جاری کرنے بند کر دئے ہیں۔ تاہم انفرادی طور پر یا مجموعی طور پر ممبران آپ کا مشورہ حاصل کر لیتے ہیں۔

اس سال بھی میں نے متعدد ممبروں سے مشورے کئے۔ ہم میں سے ہر کسی نے محسوس کیا کہ مولانا صاحب کا انتخاب ہی واحد ممکنات میں سے ہونا چاہیئے۔ لیکن آپ کو ترغیب نہ دی جا سکی۔

پچھلی دفعہ باردولی میں جبکہ ورکنگ کمیٹی کا اجلاس جاری تھا۔ مہاتما گاندھی نے مولانا کو اپیل کی کہ وہ نامزد ہو جائیں لیکن وہ بضد تھے ۱۵ جنوری صبح اتوار کو آپ مہاتما گاندھی کے پاس آئے اور کہا کہ

آپ کی مرضی کے خلاف جانا بہت مشکل ہے اور ہم سب کی زحمت کا موجب ہوگا
کہ آپ نے انتخاب کے لئے کھڑا ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

ہم اس وقت یہ جانتے تھے کہ ڈاکٹر پٹابھی صاحب کو چند اندھرا کے دوستوں
نے تجویز کیا ہے۔ اور وہ بھی یہ جانتے تھے کہ سبھاش بابو بھی نامزد ہو چکے ہیں
ہم کو یقین سا محسوس ہو رہا تھا کہ ہر دو اصحاب دستبردار ہو جائیں گے اور مولانا
صاحب متفقہ طور پر منتخب ہو جائیں گے۔

باردولی میں ایک بے ضابطہ بحث کے دوران میں ایک موقعہ پر جبکہ
مولانا ابوالکلام آزاد۔ شری پت جواہر لال نہرو۔ بابو راجندر پرشاد۔ شری پت
بھولا بھائی ڈیسائی۔ آچاریہ کرپلانی۔ مہاتما گاندھی اور میں کسی مجوزہ طریقہ پر
نہیں بلکہ اتفاقاً ہی موجود تھے۔ یہ فیصلہ ہوا کہ اگر مولانا اپنے اعتراض پر
بضد رہے تو آئین کے مطابق ڈاکٹر پٹابھی کا انتخاب ہی محض باقی تھا۔ چونکہ
ہم صاف طور پر اس رائے پر تھے کہ سبھاش بابو کو دوبارہ منتخب کرنا کوئی
ضروری نہیں۔ ہمارے دلوں میں دائیں یا بائیں بازو کا کوئی سوال نہ تھا۔
یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ سبھاش بابو جانتے ہیں کہ آپ کے معاملہ میں
بھی پچھلے سال کارروائی بعینہٖ اسی طرح تھی۔ جیسی کہ اب اختیار کی جا رہی
ہے۔ اس وقت صرف ہم کو دوسرے امیدواروں کو دستبردار ہونے کی ترغیب
دینے میں کوئی مشکل نہ پڑی تھی۔

پھر اسے گر مولانا صاحب مان گئے تھے۔ تاہم بمبئی پہنچتے ہی آپ کا دماغ
پھر درہم برہم ہو گیا۔ جونہی آپ نے سوچا کہ آپ اتنے بڑے عہدہ کی ذمہ داری

نہیں لے سکتے۔ وہ دوڑتے ہوئے مہاتما گاندھی کے پاس آئے کہ انہیں کو آن
لیا جائے۔ مہاتما گاندھی نے مولانا پر اور زور دینا بہتر نہ سمجھا۔ اس کے بعد
لیا ہوا۔ ملک جانتا ہے۔

یہ معلوم کر کے مجھے بہت دکھ ہوا ہے کہ سبھاش بابو دستخط کنندگان اور
ورکنگ کمیٹی کی اکثریت کے خلاف الزام لگا رہے ہیں۔ میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں
، ورکنگ کمیٹی کا کوئی ممبر نہیں جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی فیڈریشن
چاہتا ہو۔ اور آخر میں کوئی ایک ممبر بھی ایسا نہیں اور نہ ہی موجودہ صدر
کانگرس مجاز ہے کہ اتنے بڑے مسئلے کا فیصلہ کر سکے۔ یہ صرف کانگرس ہی
ہے جو فیصلہ کر سکتی ہے اور اس لئے ورکنگ کمیٹی اجتماعی طور پر جب کہ
کانگرس کا اجلاس نہ ہو رہا ہو اور کانگرس ورکنگ کمیٹی کو بھی اختیار نہیں
کہ کانگرس کی موجودہ پالیسی سے پرے ہٹ سکے۔

میں کامل طور پر اس رائے کے خلاف ہوں کہ ماسوائے ورکنگ کمیٹی کی
منظوری کے صدر کانگرس کو پالیسی شروع کرنے کا کوئی اختیار ہو۔ ورکنگ کمیٹی
نے کئی دفعہ صدر کانگرس کی بے انتہا مخالفت کے باوجود کئی ایسی باتیں کی ہیں۔
یہ ان کی ناموری کے لئے کیا جا سکتا ہے۔ کہ انہوں نے ورکنگ کمیٹی کے فیصلہ
کے سامنے سر نگوں کیا۔

تمام ساتھی چونکہ بارددلی میں نہیں ہیں اور وقت بھی بہت تنگ
ہے۔ لہٰذا میں نے بغیر اپنے ساتھیوں کے کسی تعلق کے سبھاش بابو کے بیان
کے جواب میں اپنی آزادی رائے دی ہے۔"

"میرے لیئے بائیں کے لئے جن کے ساتھ میں نے تبادلۂ خیالات کیا ہے۔ معاملہ ذاتیات اصولوں یا پالیسی کا نہیں۔ اور نہ ہی دائیں بائیں بازو کا ہے۔ محض خیال یہ ہے کہ ملک کے مفاد کے لیئے بہترین کیا ہو سکتا ہے۔ جنہوں نے بھی کچھ کہا ہے۔ میری رائے میں اُن کو ڈیلیگیٹوں کی رہنمائی کرنے کا پورا حق تھا۔ مجھے تقریباً ہر روز چٹھیاں اور تاریں ڈیلیگیٹوں سے رہنمائی کے لئے موصول ہوتی ہیں۔ اور مجھے توقع ہے کہ دوسرے ساتھیوں کو بھی آ رہی ہیں۔ ان حالات میں حق ایک فرض بن جاتا ہے۔ لیکن ایک دفعہ جبکہ مشورہ دیا جائے۔ یہ محض ڈیلیگیٹوں تک رہ جاتا ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہیں ووٹ دیں "

ملک جو آگے سے کافی بیدار ہو چکا تھا۔ اُس نے سمجھ لیا تھا کہ بلا مقابلہ انتخاب اور محض عزت افزائی کے لئے صدر بنا دینا اُن دنوں میں واقعی بہتر تھا۔ جبکہ صدارت کے فرائض بالکل محدود اور معمولی تھے۔ لیکن ایسے حالات میں جبکہ کانگرس کے اندر دو بازو پیدا ہو چکے تھے۔ اور کانگرس کی صدارت کے ساتھ ساتھ عظیم ذمہ داریاں پیدا ہو چکی تھیں۔ بلا مقابلہ اور محض رواجی طور پر عزت افزائی کے لئے صدر بنا دینے میں کوئی معقولیت نہیں۔ سیاسی بیداری کے اس مرحلہ پر بھی بلا مقابلہ انتخاب ممکن ہو سکتا ہیں۔ لیکن صرف اس حالت میں جبکہ ملک کی رائے میں انتشار موجود نہ ہو۔ اور اگر خاص پالیسی اور پروگرام کی بنا پر انتخاب لڑے جاتے ہوں تو بلا مقابلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیئے۔

مسٹر بوس کی پوزیشن ان بیانات اور جوابات میں کافی مضبوط ہو چکی تھی اور خاص کر جبکہ آپ نے اپنے آخری بیان میں اس طریقے کا کھلی طرح سے اظہار کر دیا تھا کہ وہ کسی عہدہ کی خاطر نہیں لڑ رہے۔ بلکہ ملک کے مفاد کی خاطر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور اگر اب بھی اس وقت بائیں بازو کا کوئی ایسا لیڈر صدارت کے لئے منظور کر لیا جائے۔ جو کہ فیڈریشن کی مخالفت میں مشہور ہو تو وہ اپنا نام واپس لینے کو تیار ہیں۔ آپ نے اس سلسلہ میں مشہور سوشلسٹ لیڈر اچاریہ نریندر دیو کا نام بھی پیش کیا۔ لیکن اس پیشکش سے بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ دائیں بازو کے لیڈروں کو یقین سا ہو چکا تھا۔ کہ مہاتما جی کی سرپرستی کی موجودگی میں ان کی کامیابی یقینی ہے۔ مسٹر بوس نے ان لیڈروں نے کے متحدہ محاذ اور قومی اتحاد کے نام پر اپیل بھی کی۔ کہ آخری وقت بھی اس انتشار کو دور کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی فیڈریشن کا مخالف بائیں بازو کا لیڈر صدارت کے لئے منظور کر لیا جائے۔ لیکن ان اپیلوں کی کوئی پروا نہ کی گئی۔ اگر ان لوگوں نے اس نوجوان رہنما کی خلوص دلی کی قدر کی ہوتی تو یقیناً کانگرس کا موجودہ انتشار اس کے دشمنوں کے لئے مذاق کا باعث نہ بنتا۔

(۲)

انتخاب میں کامیابی

چنانچہ انتخاب ہوا۔ تمام صوبوں میں کل ۲۹۵۷ ووٹ ڈالے گئے۔

سبھاش بابو کو ۱۵۸۰ ووٹ ملے اور ڈاکٹر صاحب کے حصہ میں ۱۳۷۷ ووٹ آئے اور مسٹر بوس کو دو صد سے زائد ووٹوں کی اکثریت سے صدر بنا دیا گیا

جیسا کہ آپ کے متعدد بیانات سے اور آپ کی گذشتہ زندگی سے ظاہر ہوتا ہے۔ سبھاش بابو کے اندر وطن پرستی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی آپ ہمیشہ ایک سپاہی کی حیثیت میں تمام عمر ایک تنظیم کے ماتحت کام کرتے رہے۔ آپ نے کبھی بھی عہدوں کے پیچھے دوڑ کر اپنے اعظیم نصب العین کو نہ چھوڑا۔ اس صدارتی انتخاب کے نتیجہ پر آپ نے اپنی فتح کا ڈنکا نہ بجایا۔ کسی خوشی یا مسرت کا اظہار نہ کیا بلکہ نہایت زوردار الفاظ سے حمایتیوں سے اپیل کی۔ اور ہندوستان کے دشمنوں کو متنبہ کیا۔ آپ نے فوراً ہی ایک بیان جاری کر کے فرمایا کہ "انتخاب کا یہ فیصلہ کسی قسم کی خوشی کا باعث نہ ہونا چاہیئے بلکہ اس کے برعکس وچار کرنے اور آئندہ کی تیاری کے متعلق سوچنے کا مقام ہے۔ ہم سب کو اس مقابلہ کا نتیجہ نہایت حلیمی اور ایک دوسرے کی عزت کے خیال سے سننا چاہیئے۔

آپ نے مزید کہا "میں کل کے آنے والے خیالات سے پریشان ہو رہا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ جس کسی نے بھی میرے حق میں ووٹ دیئے ہیں وہ بھی اسی طرح کرے۔"

"ایسا نہ ہو کہ ہندوستان کی آزادی کے دشمن یہ سمجھنے لگ جائیں کہ کانگرس میں انتشار پیدا ہو چکا ہے۔ میں یہ بات اچھی طرح سے واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کانگرس پہلے کی طرح بالکل متحد ہے۔ کانگرسیوں کے اندر اختلاف

ہو سکتے ہیں۔ لیکن جہاں تک سامراج شاہی کے خلاف جدوجہد کا تعلق ہے وہ سب ایک ہیں۔"

یہیں پر بس نہیں مسٹر بوس نے ایک پبلک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے جو آپ کی کامیابی پر مبارکباد پیش کرنے کے لئے کلکتہ میں منعقد کیا گیا تھا۔ آپ نے اس سے بھی زوردار الفاظ میں کہا کہ ہم کو اتنا بے وقوف نہ ہونا چاہیئے۔ کہ ہم ڈیلیگیٹوں کے فیصلہ کو کسی مسرت اور خوشی کا باعث سمجھیں۔ بلکہ اس کے برعکس ہم کو حلیمی اور ذمہ داری کے ساتھ اس فیصلہ کو لینا چاہیئے کامیابی کے اس موقع پر ایک لفظ بھی ایسا مت کہو اور ایک کام بھی ایسا مت کرو۔ جس سے کسی کے جذبات کو ٹھیس لگے۔

گو صاحب صدر نے وقت کی نزاکت کے پیش نظر کسی نازیبا لفظ کے کہنے یا لکھنے سے احتراز کیا۔ تاہم صدارتی انتخاب ملک کی بحث کا موضوع بن گیا۔ طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ چند لوگ سمجھنے لگے کہ مہاتما جی جو پچھلے پچیس برس سے ملک کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ ملک نے آپ کے اصول کو رد کر دیا ہے۔ اور چونکہ سبھاش بابو ہندوستان کی ایک عظیم انقلابی شخصیت تصور کئے جاتے تھے۔ اسلئے لوگوں نے خود بخود یہ فیصلے کرنے شروع کر دیئے کہ اب کانگریس اپنے موجودہ پروگرام سے دور ہٹ کر ایک انقلابی جماعت کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ ہندوستان بھر کے اخبارات کے علاوہ لنڈن کے سرکردہ اخبارات میں بھی عجیب وغریب مضامین شائع ہونے لگے۔ سبھاش بابو جنہوں نے پہلے ہی اپنے حامیوں کو خاموش رہنے اس فیصلہ کو سن لینے اور کسی قسم کی

خوشی یا مسرت سے احتراز کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ آپ کو اخبارات کی ان قیاس آرائیوں سے حیرانی نہیں ہوئی۔ چنانچہ ایسے لوگوں کی زبان بند کر دینے کے لئے آپ نے ایک اور بیان جاری کیا۔ جس میں آپ نے فرمایا کہ "یہ ہمیشہ ہی میرا مدعا رہے گا کہ مہاتما جی کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ کیونکہ میرے لئے یہ ایک نہایت ہی خوفناک قدم ہوگا۔ کہ عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں تو میں کامیاب ہو جاؤں۔ لیکن ہندوستان کے سب سے بڑے آدمی کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہوں۔"

یہ تمام کچھ بیان کرنے کا مدعا یہ تھا کہ نوجوان ہندوستان کے اس عظیم الشان لیڈر نے ملک کے اتحاد کے پیش نظر ان تمام سازشوں اور کارروائیوں کو نظر انداز کر دیا۔ جو آپ کو ذلیل کرنے کے لئے کی گئیں۔ آپ نے ہر چند کوشش کی کہ مہاتما جی کو ناراض نہ کیا جائے۔ ملک کے اتحاد کو نقصان نہ پہنچے۔ اور ملک کے دشمنوں کا مذاق اڑانے کا موقع نہ ملے۔ جمہوریت کے اصولوں کا احترام کرتے ہوئے ضرورت بھی اسی چیز کی تھی کہ دوسرے لیڈر بھی اکثریت کے فیصلہ کو نہایت ہی صدق دلی سے منظور کر کے صدر منتخب کے ساتھ مل کر ملک کی بہتری کے لئے حسب معمول کوشاں ہو جاتے۔ لیکن مہاتما جی کے بدقسمت ار جمہوریت کش بیان نے جو کہ آپ نے انتخاب پر اظہار رائے کرتے ہوئے دیا۔ کانگرس میں پیدا ہو رہے ہیں۔ کو اتنا زیادہ کر دیا کہ ہندوستان اس عظیم الشان جماعت کے اندر داخلی بغاوت پیدا ہو کر رہی۔

کتنا ہی اچھا ہوتا کہ دوسرے لیڈر بھی صاحب صدر کی طرح کوئی مشکل

خبر بیان جاری کرنے سے اعتراض کرلے ۔ لیکن ایک مشہور و معروف جرنلسٹ کے قول کے مطابق " دنیا میں سنگین سے سنگین جرم بھی ایسا نہیں جو طاقت کے چھن جانے پر انسان نہ کر جاتا ہو " ۔ چنانچہ دائیں بازو کے لیڈروں کی طاقت چھن جانے پر مہاتما جی نے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا :۔

مہاتما جی کا بیان

" مسٹر پٹ سو بھاش چندر بوس نے اپنے مخالف ڈاکٹر پٹا بھی سیتارامیہ پر ایک زبردست فتح حاصل کی ہے ۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ چند وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر ضروری نہیں میں قطعی طور پر ان کے مکرر انتخاب کے خلاف تھا ۔ ان کی طرف سے جو اعلان کئے گئے یا جو واقعات بیان کئے گئے ۔ میرا ان سے اتفاق نہیں ۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے اپنے رفقاء کے متعلق جو باتیں کہیں وہ غیر منصفانہ اور ناجائز تھیں ۔ تاہم مجھے ان کی فتح پر خوشی ہے ۔ اور چونکہ مولانا ابوالکلام نے اپنا نام واپس لینے کے بعد میں نے ان پر زور دیا تھا کہ وہ اپنا نام واپس نہ لیں اس لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ شکست درحقیقت میری شکست ہے ۔ اگر چند اصولوں اور ایک قطعی پالیسی کی نمائندگی نہ کروں ۔ تو میری اپنی کوئی حیثیت نہیں ۔ اس لئے میرے لئے یہ بات بالکل واضح ہے ۔ کہ ڈیلی گیٹوں نے میرے اصولوں اور پالیسی کو پسند نہیں کیا ۔ میں اپنی اس شکست پر بھی بہت مسرور ہوں ۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس دہلی میں اقلیت کے واک آؤٹ کے

بعد میں اپنے اپنے آرٹیکل میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اب مجھے موقع میسر آیا ہے کہ میں ان خیالات کو عمل میں لاؤں۔

سبھاش بابو ان اصحاب کے کہنے پر کانگریس کے صدر منتخب ہونے کی بجائے جنہیں وہ اعتدال پسند کے نام سے پکارتے ہیں اب مقابلہ کر کے صدر منتخب ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ اب اپنے مطلب کی کیبنٹ چن سکتے ہیں۔ اور بغیر کسی قسم کی رکاوٹ کے اپنے پروگرام پر عملدرآمد کرا سکتے ہیں۔

تاہم اکثریت اور اقلیت میں ایک بات پر کامل اتفاق ہے اور وہ یہ ہے کہ کانگریس کی تنظیم کو بدعنوانیوں سے پاک و صاف کیا جائے۔ "ہریجن" میں میں نے جو آرٹیکل لکھے ہیں۔ اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کانگریس میں نہایت سرعت سے بدعتیں داخل ہو رہی ہیں اور اس کے رجسٹروں میں بہت سے جعلی ممبر ہیں۔ گذشتہ کئی ماہ میں ان رجسٹروں میں دوبارہ اندراج کرنے پر زور دے رہا ہوں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ بہت سے ڈیلیگیٹ ایسے ہوں گے۔ جو انہی ووٹوں کی بنا پر منتخب ہوئے۔ لیکن پڑتال کے بعد ان ڈیلیگیٹوں کو خارج کیا جا سکتا ہے۔"

بلا شک و شبہ یہ ایک نہایت ہی خطرناک اور جمہوریت کش مشورہ تھا جو کہ اس سازش کو لیڈر نے اپنے پیروکاروں کو دیا۔ دنیا تو آگے ہی جانتی تھی کہ جو بیان سردار پٹیل اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے سبھاش بابو کے انتخاب کے خلاف جاری ہو رہے ہیں اُن پر گاندھی کی مہر تصدیق ثبت ہوتی ہے۔ لیکن اس موجودہ بیان نے تو گاندھی جی کی نیت کو اچھی طرح سے واضح کر دیا تھا

جیسا کہ آپ کے پیروکاروں نے آپ کی مخالفت کی وجہ بیان کرنے سے گریز کیا مہاتما جی بھی اس بات کی وجہ بیان نہ کر سکے۔ سبھاش بابو کی مخالفت کیوں کی جارہی ہے۔ وجہ تو ہو ہی کیا سکتی تھی۔ یقیناً سبھاش بابو سے ایسا کوئی قول یا فعل سرزد نہ ہوا تھا۔ جو ملک کے مفاد کے منافی ہو۔ حقیقت تو صرف یہی تھی کہ آپ ایک آزادانہ رائے کے مالک تھے اور جب ایک دفعہ آپ کو یقین ہو جاتا کہ فلاں معاملہ ملک کے لئے نقصان دہ ہے تو آپ بڑی سے بڑی شخصیت کی رائے کو بھی قربان کر دینا پر تل جاتے اور کہ موقعہ آنے پر کئی بار آپ نے مہاتما جی کے مشورہ سے اختلاف ظاہر کرنے کی جرأت کی تھی ورنہ کوئی وجہ ملک کو نظر نہ آئی تھی کہ سبھاش بابو کی جیت کو مہاتما جی نے اپنی شکست کیوں تسلیم کیا۔ مندرجہ بالا واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سبھاش بابو نے مہاتما جی کی ناراضگی کو دور کرنے اور کانگرس کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ لیکن مہاتما جی نے آپ کی نیک نیتی اور خلوص دلی کی کوئی قدر نہ کی اور فوراً ہی وار دھا سے ایک بم چھوڑ دیا۔ جو کہ نہ صرف کانگرس کے اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کر گیا۔ بلکہ حقیقت میں ایک بغاوت کی بنیاد رکھ دی۔ جس سے نہ صرف ملک کو ایک نوجوان لیڈر کی رہنمائی سے محروم کر دیا گیا۔ کانگرس کی طاقت سے ایک ایسے صوبہ کو علیحدہ کر دیا۔ جسکی عظیم الشان روایتیں اور قربانیاں تمام ملک کی متحدہ قربانیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں۔

فطرتاً نوجوانوں کی ایسی ہوتی ہے۔ کہ تھوڑے سی بات پر مستقل

ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہاں بالکل برعکس معاملہ ہوا۔ مہاتما جی نے تو مشتعل ہو کر ایک سنسنی خیز بیان جاری کر دیا۔ لیکن سبھاش بابو نے نہایت ٹھنڈے دل سے اس کو سنا۔ آپ نے پہلے بھی بہت کوشش کی۔ کانگریس کے اندر نفاق پیدا نہ ہو سکے اور اب پھر ایک دانشمندانہ قدم اٹھایا۔ اور وردھا میں جا کر مہاتما جی کی ناراضگی کو دور کرنے کا تہیہ کیا۔ ان دنوں آپ کی صحت بے حد کمزور تھی۔ بخار مسلسل ہوتا تھا۔ ہر وقت بستر پر پڑے رہتے تھے۔ ڈاکٹروں کا مشورہ تھا کہ آپ کو کوئی بھی دماغی یا جسمانی کام نہ کرنا چاہیئے لیکن اپنی گذشتہ روایتوں کی طرح آپ نے اپنی ذات کو خطرے میں ڈال لینا منظور کر لیا۔ اور ملک کے مفاد کی خاطر ۱۵ فروری کو آپ وردھا روانہ ہو گئے۔

مسلسل تین گھنٹہ تک آپ نے اپنا کیس مہاتما جی کے سامنے رکھا۔ اور اچھی طرح سے تبادلۂ خیالات کیا۔ جب ملاقات کے بعد آپ مہاتما جی کے آشرم سے باہر آئے تو باہر کھڑے جرنلسٹوں کو اُمید افزا خبر سنائی۔ مہاتما جی نے اپنے حسب معمول محبت کے ساتھ انہیں سُنا ہے اور بہت سی غلط فہمیاں رفع ہو چکی ہیں اور ظاہر کیا کہ مہاتما جی کا مشورہ اور رہبری ہمیشہ آپ کو مل سکیں گی۔ گو ملاقات کسی آخری فیصلہ تک نہیں پہنچ سکی تاہم حالات اُمید افزا ہیں۔ چنانچہ آپ نے پبلک اور اخبارات کو درخواست کی کہ میرے ساتھ تمام فیصلہ کا انتظار کریں۔

جرنلسٹوں سے یہ بات چیت کرتے وقت آپ نے مہاتما جی سے منظوری لے لی تھی اور جو کچھ کہا گیا تھا آپ کی مرضی سے کہا گیا تھا۔ ان حالات میں

قیاس تھا کہ کانگریس کے اندر بڑھ رہا یہ انتشار اب اس سے آگے نہ جائیگا
ور انتخاب کے دوران میں ہر دو اطراف سے استعمال کی گئی تلخی پر مٹی ڈالی
جاسکے گی۔ وطن کے خیرخواہوں نے اسے امید افزا نشان سمجھا اور ان حالات
یں ملک کو قطعی اُمید نہ تھی کہ مہاتما جی کوئی تازے ارشادات فرما کر ایک بار
پھر اس امید افزا ماحول کو توڑ پھوڑ کر رکھدیں گے۔

جونہی سبھاش بابو واردھا سے واپس کلکتہ کی طرف روانہ ہوئے۔
ہاتما جی نے ایک نمائندہ پریس کو ملاقات کے دوران میں فرمایا کہ آپ نے
بھاش بابو کو صاف لفظوں میں کہدیا تھا کہ نئی ورکنگ کمیٹی نامزد کرتے
قت آپ کو پرانے ساتھیوں کا تعاون حاصل نہ ہوسکے گا۔ اور کہ ورکنگ
میٹی کے دائیں بازو کے لیڈر اپنے فیصلہ پر بضد ہیں۔ کہ کانگرس کی آئندہ
لیسی کو بنانے میں حصّہ نہ لیں گے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اب جبکہ سبھاش بابو
ہ اکثریت حاصل ہوچکی ہے۔ انہیں آپ کے مشورہ حاصل کرنے کی کوئی
رورت نہیں کیونکہ عوام نے گاندھی ازم کے عقیدہ کو ٹھکرا دیا ہے۔

اِس بیان کے نکلتے ہی ملک کے اندر حیرت سی پیدا ہوگئی۔ سب لوگ
ڈر گئے۔ کہ سبھاش بابو کے خلاف ایک باقاعدہ سازش منظم ہوچکی ہے اور
ہ سبھاش بابو کو زیادہ سے زیادہ ذلیل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

استعفا

بالوجی نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے چند ممبروں کی استدعا پر ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ واردھا میں بلائی۔ لیکن علالت صحت کی وجہ سے خود وہاں پہنچ نہ سکے اور میٹنگ کو ملتوی کرنا پڑا۔ مخالف گروپ کے تمام ممبر وہاں پہنچ چکے تھے۔ اور ان کے سب سے بڑے لیڈر بھی وہاں پر پہلے سے ہی براجمان تھے۔ چنانچہ مشورے ہوئے کہ صاحب صدر محض بہانہ کر رہے ہیں اور درحقیقت وہ اس قدر بیمار ہیں کہ میٹنگ پر آنے کے ناقابل ہوں ان عظیم الشان سازشیوں نے ایک اور خطرناک قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

یکایک مندرجہ ذیل بارہ ممبران ورکنگ کمیٹی کی طرف سے آپ کو تار ملا۔ جس میں اُن لیڈروں نے اپنے اپنے استعفے صاحب صدر کے حوالے کر دئیے تھے۔

سردار پٹیل۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ بابو راجندر پرشاد۔ مسز سروجنی نائیڈو۔ شری سیٹھ بھولا بھائی ڈیسائی۔ ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ۔ مسٹر شنکر راؤ دیو۔ مسٹر ہری کرشن مہتاب۔ اچاریہ کرپلانی۔ خان عبدالغفار خان۔ مسٹر جے رام داس۔ سیٹھ دولت رام اور مسٹر جمنالال بجاج۔

اس وقت بالوجی کو ۱۰۳ درجہ کا سخت بخار ہو رہا تھا۔ آپ بالکل بستر پر پڑے ہوئے تھے جبکہ یکایک آپ کو تار ملا۔ تار کے بعد دوسرے ہی روز آپ کو مندرجہ ذیل چٹھی ملی۔ جس پر جملہ مستعفی ممبران کے دستخط تھے۔

مستعفی ممبران کی چٹھی

پیارے سبھاش !

آپ کی بیماری کا سن کر ہم سب کو بہت دکھ ہوا ہے۔ یہ کبھی بھی خیال نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ اپنی صحت کو خطرے میں ڈال کر وار دھا آئیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ جلد ہی رو بصحت ہو جائیں گے۔

ہم نے پچھلے واقعات کو اچھی طرح سے سوچا ہے اور صدارتی انتخاب کے سلسلہ میں متعدد بیانات پڑھے ہیں۔ آپ کی بد قسمت بیماری لہٰذا ہماری میٹنگ کا ملتوی ہو جانا انہوں نے ان بیانات پر ہمیں اپنی رائے کا اظہار کرنے سے روک دیا ہے۔ اس موقعہ پر ہم کو صرف اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ ہم مندرجہ ذیل دستخط کنندگان ورکنگ کمیٹی سے اپنے استعفے دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور اس لئے ہم اپنے استعفے داخل کرتے ہیں۔

ہم محسوس کرتے ہیں کہ آپ کو اپنے خیال کے مطابق کیبنٹ چن لینے کے لئے آپ کو بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ وقت آ چکا ہے کہ ملک ایک بالکل صاف پالیسی اختیار کرے جو کہ کانگرس کے نا موافق گروہوں کے درمیان معاہدوں پر مبنی نہ ہوں۔

اس لئے یہ بالکل صحیح ہے کہ آپ اپنا موافق کیبنٹ چن لیں۔ جو کہ اکثریت کے خیال کی نمائندگی کرے۔ آپ ہم پر اعتماد کریں کہ جو پالیسی آپ

ملک کے سامنے رکھیں گے۔ جن معاملات میں ہم آپ کے ہم خیال ہوئے۔ ہر قسم کا تعاون آپ کو دینے کو تیار رہوں گے۔ پبلک کے تذبذب کو کم کرنے کے لئے ہم یہ چٹھی پریس میں بھیج رہے ہیں۔

آپ کے مخلص :۔

دستخط کنندگان :۔

ابوالکلام آزاد۔ (مسز) سروجنی نائیڈو۔ ولبھ بھائی پٹیل۔
راجندر پرشاد۔ بھولا بھائی ڈیسائی۔ ٹپابھی ستیارامیہ۔
شنکر راؤ دیو۔ ہری کشن مہتاب۔ اچاریہ کرپلانی۔
عبدالغفار خان۔ جمنالال بجاج۔ جیرام داس۔ دولت رام

ملک کے تمام سوشلسٹ لیڈروں نے ہر چند کوشش کی کہ اس عظیم انتشار کو ہونے سے روکا جائے لیکن ان کی کوششیں کارگر ثابت نہ ہوسکیں۔ وہ مستعفی ممبروں کو راضی کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ معلوم ایسے ہوتے تھا کہ انہیں ہمیشہ سے ہی انتظار تھا کہ وہ اپنی سازشوں میں ضرور کامیاب ہوجائیں گے چنانچہ آپ نے ان لوگوں کو بھی دھمکی دے دی۔ اپنے ایک بیان میں انہوں نے کہا "جو لوگ اپنے آپ کو انتہا پسند کہلانے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ ان کو اب تمام ذمہ داری سنبھال لینی چاہیئے۔ اور محض ہماری غلطیوں یا خامیوں پر نکتہ چینی کرنے پر اکتفا نہ کرنا چاہیئے۔ اس قسم کے حالات کافی عرصہ تک برداشت کئے جاچکے ہیں۔ اور اب چونکہ بائیں بازو والے اکثریت میں ہیں ان کو کانگریس کا کام چلانے میں بالکل آزاد ہاتھ ملنا چاہیئے۔" انہوں نے

مزید کہا کہ اگر وہ یعنی انتہا پسند ناکام رہے تو ملک کو نہایت ضروری سبق مل جائے گا۔" ان الفاظ سے ایک تو یہ نظر آرہا تھا۔ کہ اپنی ساز باز کو کامیاب کرنے کی غرض سے اور تری پوری کے ہنگامی اجلاس پر انتقامی کارروائی کرنے کے لئے ملک کو ہر ذریعہ سے یہ لوگ اپنے ساتھ لینا چاہتے تھے۔ سب سے پہلے ان لوگوں نے اپنا اثر رسوخ دوڑایا۔ لیکن ان لوگوں کے وقار کی منزل ریت کے محل کی طرح پاش پاش ہوگئی جبکہ دو صد سے زائد ووٹوں کی اکثریت سے اُن کے نامزد کردہ اُمیدوار کو شکست ہوئی۔ اب دوسرا طریقہ اختیار کیا جارہا تھا۔ جیسا کہ آگے ذکر کیا جاچکا ہے۔ پچیس برس کی مسلسل رہنمائی نے ان لوگوں کو اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ عوام کے جذبات کو اچھی طرح سے سمجھ سکیں۔ چنانچہ انہوں نے ملک کو دھمکیاں دینی شروع کردیں اور کافی حد تک اپنی چالوں میں کامیاب ہوگئے۔

ان الفاظ کو کہا تو   میں گیا تھا۔ لیکن یہ کہتے وقت ان بزرگوں کو شاید یہ بھول گیا تھا۔ کہ بائیں بازو کے لوگوں نے اپنے   اگر کوئی ایسی کارروائی کردی۔ جو کہ ملک کے مفاد کے منافی ثابت ہوئی تو نہ صرف ملک کے وقار کو ایک سخت نقصان پہنچے گا۔ بلکہ اس عظیم الشان منزل کی عظمت بھی برقرار نہ رہ سکے گی۔ جس کو کھڑا کرنے میں انہیں سالہا سال قربانیاں کرنی پڑی تھیں اور جس کی طرف اپنی جوانی کی بہاروں کو زندان میں سڑ سڑ کر خزاں میں تبدیل کرنا پڑا تھا۔

صرف چند ہفتے لیفا پائے تھے۔ جبکہ تریپوری میں کانگریس کا ہنگامی اجلاس

ہوتا تھا۔ صاحب صدر کی صحت بلی قدر علیل تھی کہ وہ بستر سے ہل جل بھی نہ سکتے تھے۔ ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق آپ کو کسی کام کی اجازت نہ تھی۔ ورکنگ کمیٹی کے ممبران کے استعفے کے سلسلہ میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں۔ لیکن آپ کو اُن پر غور کرنے کے لئے اور اپنے اظہار رائے کی بھی اجازت نہ تھی۔ ایسی حالت میں جبکہ ملک کے منتخب شدہ بستر علالت پر نہایت مجبوری کی حالت میں پڑا ہو۔ جبکہ قوم کا بے تاج بادشاہ زندگی اور موت کی کشمکش میں نہایت تشویشناک حالت میں مصروف ہو۔ اِن بزرگوں کے استعفے نہ صرف انسانی ہمدردی کے بالکل برعکس تھے۔ بلکہ محب الوطنی کی عظیم الشان روائیتوں اور عدم تشدد کے متبرک اصولوں کے بالکل الٹ تھے۔ آپ کا حوصلہ اگر چٹان سے بھی زیادہ مضبوط نہ ہوتا تو کون کہہ سکتا تھا۔ کہ اس علالت کی حالت میں آپ کا کیا حشر ہوتا۔

اس میں شک نہیں کہ مہاتما جی کا جادو بہت حد تک کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ ملک کی ایک بھاری اکثریت نے مستعفی ممبران کی حرکات کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے بالکل دیکھا حقیقت تو یہ ہے کہ یہ استعفے ملک کے مفاد پر ایک نہایت ہی ضرب کاری لگا گئے۔ اور یہ یقین کر لینے میں غلطی نہ ہو گی کہ مہاتما جی اس تمام معاملے کی تہ میں تھے۔ اگر آپ چاہتے تو سبھاش بابو جب پچھلی دفعہ وارد ھا میں گئے تھے۔ اس معاملہ کو اچھی طرح سے سلجھا کر کانگریس کے وقار کو دھکا لگنے سے بچا سکتے تھے۔ لیکن اپنے سیاسی امیدواروں کے احترام میں آپ اس حد تک چلے

گئے۔ مگر آپ کے اندر سے انتقام کا جذبہ بالکل ٹھنڈا نہ ہو سکا۔

جونہی صاحب صدر کو عدالت نے اجازت دی۔ آپ نے ان ممبران کے استعفوں پر غور کیا اور چونکہ مستعفی ہونے والے بزرگوں نے صاحب صدر کو مطلع کر دیا تھا کہ یہ استعفے مکمل غور و خوض کے بعد داخل کئے گئے ہیں۔

آپ نے سوچا کہ اُن کے درخواست کرنے یا انہیں استعفے واپس لے لینے کی ترغیب دینے سے کوئی کارآمد مطلب حل نہ ہو سکیگا۔ چنانچہ آپ نے ان کے استعفوں کو نہایت مجبوری کے ساتھ منظور کر لیا۔ استعفوں کے منظور کر لینے سے آپ کے کندھوں پر ایک عظیم بوجھ آ چکا تھا۔ تمام ملک کی سیاست کی ذمہ داری صرف آپ ہی کے سر پر آ چکی تھی اور خاص کر ایسے وقت جبکہ قدرت اپنے پورے زور سے سخت بیماری کی شکل میں مصیبتوں کے پہاڑ نازل کر رہی تھی اور یار لوگ آپ کی ہر خاص کا پیٹنے کے لئے میدان میں ڈٹے ہوئے تھے۔

جنرل سکریٹری کے استعفے سے خط و کتابت اور دفتری نظام کی دیکھ بھال بھی آپ کے ذمہ پڑ گئی۔ پارلیمنٹری سب کمیٹی کے جملہ تین ممبران سردار پٹیل مولانا آزاد اور بابو راجندر پرشاد کے متحدہ استعفے نے صوبوں کی وزارتوں اور وہاں کا تمام انتظام بھی آپ پر چھوڑ دیا تھا۔ ایسا وقت ہوتا ہے۔ جبکہ بڑے سے بڑے جوانمرد بھی حوصلہ چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کو سوتے جاگتے ملک کی آزادی کی لگن لگی ہوئی ہو۔ جن جوانمردوں نے اپنے جسم کا ایک ایک ذرہ اور اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ وطن کے ارپن کر دیا ہو۔ وہ کیسے

ان مصیبتوں سے گھبرا سکتے ہیں۔ ان کو موت سے کیا ڈر ہو سکتا ہے۔ ایک اصول آپ کی رہنمائی کر رہا تھا۔ ذاتی غرض کا کوئی واسطہ تک نہ تھا۔ چنانچہ آپ نے دل نہ چھوڑا۔ فوراً تمام معاملات کو سلجھا لیا۔ مسٹر نرسنگھ کو آل انڈیا کانگریس کا ایکٹنگ جنرل سیکریٹری مقرر کر دیا۔ اور ڈاکٹروں کی رائے کی قطعاً پرواہ نہ کرتے ہوئے تمام معاملات کی دیکھ بھال میں ذاتی طور پر مصروف ہو گئے۔

تری پوری کا ہنگامہ

تری پوری کے اجلاس میں صرف ایک ہفتہ اب رہ گیا تھا۔ کانگریس کے اندر بڑھا ہوا انتشار اس مرحلہ پر پہنچ چکا تھا کہ کسی خوشگوار تصفیہ کی قطعاً کوئی امید نہ تھی یہ شبہ تھا کہ اس عظیم جماعت کو جس کی پرورش نوجوانوں کے خون اور بزرگوں کی قربانیوں سے ہوئی ہے۔ پاش پاش ہو کر دشمنوں کے مذاق کا باعث نہ بن جائے۔ جس شاندار ادارہ کو مضبوط بنانے میں محب الوطنوں نے باون برس کی طویل عمر بسر کر دی تھی۔ چند ہی دنوں میں بکھر کر اپنے عظیم اصول سے پھسل جائے۔

دن نہایت تیزی سے گزر رہے تھے۔ لیکن صاحب صدر کی صحت گرتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر سر نیل رتن سرکار جنہوں نے ۲۷ فروری کو آپ کا معائنہ کیا۔ انہوں نے کھلے الفاظ میں اعلان کر دیا کہ آپ کی صحت اس قدر تشویشناک ہے کہ آئندہ پندرہ ایام میں اگر کوئی بھی سخت دماغی یا جسمانی کام کرنے کی کوشش کی گئی تو نتیجہ خطرے سے خالی نہیں ہو گی۔

چاروں طرف سے قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ کہ سبھاش بابو یا تو کرسی صدارت کو خیرباد کہنا ہوگا۔ یا اجلاس کو کسی بعد کی تاریخ میں ملتوی کرنا پڑے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ صدر منتخب مستعفی ہونے پر مجبور ہو جائیں۔ گاندھی جی کے تین پیروکار جو کہ مرکزی اسمبلی کے ممبر بھی تھے اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔ انہوں نے مسٹر بوس کو لکھا۔ اگر ورکنگ کمیٹی کے ممبران کے خلاف لگائے گئے الزام واپس نہ لئے گئے۔ تو وہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں التوا کی تحریک پیش کرینگے۔ اور اگر کسی وجوہات کی بنا پر اس تحریک کو پیش کرنے کی اجازت نہ دی گئی تو وہ صاحب صدر کو صدارت سے ہٹا دینے کی تحریک پیش کرینگے۔ اس کے علاوہ، استعفیٰ یافتہ کمیٹی کے ایک سرکردہ ممبر مسٹر شمبھو دیال وہرا نے اعلان کر دیا کہ وہ صدر منتخب کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کرینگے۔

ایسے حالات میں جبکہ کانگریس کے جملہ پرانے رہنما نہ صرف سازشوں پر سازشیں کر رہے تھے۔ بلکہ عملی طور پر بھی آپ کو ہندوستان کی سیاسی زندگی سے قطعاً ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اور اسی قسم کے حالات میں جبکہ آپ کے سیاسی مخالفین میں سے کوئی بھی ایک منٹ بھر بھی میدان میں ٹھیرانے کی تاب نہ لا سکتا سبھاش بابو نے نہایت جوانمردی سے تمام مشکلات کا مقابلہ کیا۔

ایک طرف تو یہ حالت تھی۔ دوسری طرف راجکوٹ کا معاملہ بڑی طوالت اختیار کر چکا تھا۔ مہاتما جی نے مرن برت کا اعلان کر دیا تھا۔ گو بعد میں اس سیاسی چال کی حقیقت بھی اچھی طرح افشا ہو گئی تھی لیکن اس خاص موقعہ پہ ایسی

عظیم شخصیت کی زندگی کو خطرہ میں دیکھ کر صدر کانگریس کے لئے خاموش بیٹھنا بہت مشکل تھا۔ غرضیکہ ملک کی اس نازک حالت کا مقابلہ اکیلے سبھاش پر ہی تھا اور وہ بھی اس حالت میں جبکہ صحت نے ناقابل برداشت ضرب لگا دی تھی۔ سیشن سر پر آ پہنچا۔ لیکن :۔ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

قدرتی قیاس آرائیوں اور چہ میگوئیوں کا نتیجہ چند روز تک ملک کے سامنے آجاتا تھا۔ زیادہ مواقع تو یہی نظر آتے تھے۔ کہ آپ اجلاس میں شرکت نہ کریں گے۔ لیکن ایک بار دنیا دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ ہندوستان کا یہ مرد مجاہد زندگی اور موت کو ایک کھیل سمجھتا ہوا ۶ مارچ کے روز سخت علالت میں بھی ایمبولینس کار پر آوارد ہوا۔ ڈاکٹر ساتھ تھے۔ ڈاکٹروں کی خواہش کے مطابق مظاہرے نہ کئے گئے۔ لیکن ہجوم خاموشی کے ساتھ آپ کو کانگریس نگر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھنے کے لئے چاروں طرف نظر آرہے تھے۔

۸ مارچ کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی میٹنگ منعقد ہوئی تھی۔ مسٹر بوس کو ایمبولینس کار میں پنڈال میں لایا گیا اور سٹریچر پر لٹا کر سٹیج پر لایا گیا۔ پنڈال راشٹرپتی کی جے کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھا۔ صاحب صدر اس قدر کمزور اور علیل تھے کہ آپ کو اس حالت میں اجلاس میں آتا ہوا دیکھ کر ایک اکثریت کی ہمدردی آپ کے ساتھ ہو گئی۔ لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ عدم تشدد کے پردہ میں آنے ہوئے بھیڑئے اپنے ناخنوں کو اچھی طرح تیز کر کے آئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ ادھر تو آپ پر مصیبتوں کے پہاڑ نازل ہو رہے تھے۔ ادھر آپ کی علالت کی

سامان تیار ہو رہے تھے۔ واردھا۔ بمبئی۔ پٹنہ اور لکھنؤ میں ٹیلیفون پر مسلسل گفتگوئیں جاری تھیں۔ محب الوطنوں اور جمہوریت پسندوں کا ٹولہ اپنے گئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے کے لئے محب الوطنی اور جمہوریت کو کچلنے کے مشورے کر رہا تھا۔ اجلاس کے دو دن پہلے ہی سازشوں کو آخری چمک دی جا چکی تھی۔

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی میٹنگ کی کارروائی بہت ہی دل ہلا دینے والے منظر سے شروع ہوئی صاحب صدر نے جن سے علالت کے باعث بات تک کرنی دشوار تھی۔ سب سے پہلے کانگرس کے پرانے بزرگوں کو اشارتاً درخواست کی کہ ایک بار پھر اس سٹیج کو زیب کریں جن کو وہ چھوڑ کر عام ڈیلیگیٹوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ کی درخواست کو منظور کر کے پٹیل گروپ تالیوں اور نعروں کے درمیان سٹیج پر جلوہ افروز ہوا۔

بعد میں مسٹر شنکر راؤ قائمقام جنرل سیکرٹری نے اپنی رپورٹ پڑھی جس کے فوراً ہی بعد صاحب صدر نے اعلان کیا کہ آپ کے پاس ۱۶ ممبران آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا دستخط شدہ ریزولیوشن وصول ہوا ہے۔ جس کو کہ پنڈت گوبند ولبھ پنت وزیر اعظم صوبہ یو۔ پی نے پیش کرنا ہے۔

ریزولیوشن اپنی نوعیت کا ایک نرالا ڈھنگ تھا۔ جس کے ذریعہ صاحب صدر کے اختیارات چھین کر مہاتما جی کے حوالے کرنا مقصود تھا۔ ریزولیوشن کے الفاظ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

پنڈت پنت کا رزولیشن

یہ کمیٹی کانگریس کی اس بنیادی پالیسی پر پکی طرح پابند رہنے کا اعلان کرتی ہے۔ جس نے کہ مہاتما جی کی رہنمائی میں پچھلے بیس سال سے کانگریس کے پروگرام کی سرپرستی کی ہے۔ اور غیر مبہم طور پر اس کی رائے ہے کہ اس پالیسی کو ٹوٹنا نہیں چاہیے۔ اور اسے آئندہ بھی کانگریس پروگرام کی سرپرستی کرتے جانا چاہیے۔ کمیٹی ورکنگ کمیٹی کے کام پر پورے اعتماد کا اظہار کرتی ہے جس نے کہ پچھلے سال کام کیا ہے۔ اور اس پر اظہار افسوس کرتی ہے کہ اس کے کسی ممبر پر کسی قسم کی بدنامی لگائی جائے۔

ایسی نازک صورت حالات کے پیش نظر میں جو کہ آئندہ سال ہونے والے ہیں اور اس امر کے پیش نظر مہاتما گاندھی ہی اکیلے ایسے نازک وقت میں ملک کی فتح تک رہنمائی کر سکتے ہیں۔ کمیٹی یہ ضروری سمجھتی ہے کہ کانگریس کی اگزیکیٹو کو آپ کا پورا اعتماد حاصل ہو اور صاحب صدر سے درخواست کرتی ہے کہ آئندہ سال کی ورکنگ کمیٹی گاندھی جی کی مرضی کے مطابق نامزد کریں۔

درحقیقت کانگریس کے موجودہ آئین کے مطابق یہ ریزولیوشن وقت پر داخل نہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ اجلاس میں گڑبڑ سی پیدا ہو گئی۔ مسٹر ناریمان مسٹر امیے سردار سردول سنگھ کویشر اور مسٹر ایم این رائے اس پر زور دیتے تھے کہ چونکہ ریزولیوشن غیر آئینی ہے۔ لہذا رد کر دیا جائے۔ لیکن دوسری طرف

گاندھی بھگتوں نے واویلا مچا دیا۔ دلیل تو اُن لوگوں کے پاس تھی نہیں لیکن
شور مچانے میں بڑھ چڑھ کر رہے ہے۔ چونکہ یہ ریزولیوشن صاحب صدر سے براہ
راست تعلق رکھتا تھا۔ اسلئے آپ کے لئے ایک مشکل سی پوزیشن پیدا ہو
گئی تھی۔ اگر تو آپ آئین کے مطابق چلتے تو شوریدہ سر لوگ اُن کی نیت پر بھی
شک کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اور اگر غیر آئینی جانے تو انہیں ایک عظیم فرض
کی کوتاہی کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا تھا۔

ان حالات کے پیش نظر آئین و قانون کا مکمل احترام کرتے ہوئے آپ نے
اپنا رولنگ دیا کہ وہ ریزولیوشن پیش کرنے والوں کو ہر قسم کا موقعہ دینے
کو تیار تھے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ غیر آئینی کارروائی کرنے سے
مجبور تھے۔ چنانچہ اس ریزولیشن کو رد کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

اس فیصلہ پر عدم تشدد کے دیوتوں نے وہ شور مچایا کہ صاحب صدر کو
اجلاس کچھ دیر کے لئے ملتوی کرنا پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد اجلاس دوبارہ منعقد
ہوا۔ اور مسٹر بوس نے اعلان کیا کہ التوا کے دوران میں آپ سے کئی ملاقاتیں
ہوئی ہیں اور آپ نے غیر معمولی حالات میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس ریزولیوشن
کو دوسری تجویزوں پر ترجیح دی جائے۔

ہر دو فریقین کی طرف سے کافی بحث ہوئی۔ متعدد ترامیم پیش ہوئیں
مسٹر جے پرکاش نارائن جنرل سیکریٹری آل انڈیا سوشلسٹ پارٹی کی ترمیم خاص طور سے
قابل ذکر ہے۔ اس ترمیم کی منظوری سے معاملات بالکل سلجھ سکتے تھے اور نہ صرف
گاندھی جی کے وقار کو کوئی نقصان پہنچ سکتا تھا اور نہ ہی کانگرس کا انتشار ہی

سے زیادہ بڑھ سکتا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا تھا کہ مسٹر پنت ریزولیوشن میں سے
ایک لفظ کا رد و بدل بھی منظور کرنے کو تیار نہ تھے۔ ایک تو صاحب صدر بیمار
تھے اور آپ کی اس بیماری کا مخالف اچھی طرح سے فائدہ اٹھا رہے تھے اور
دوسرا یہ کہ گاندھی کے مرن برت نے جو کہ عین اس وقت راج کوٹ میں شروع
کیا گیا۔ جبکہ کانگریس کا اجلاس تری پوری میں ہونے والا تھا، پرانے لیڈروں کا
پلڑا بھاری کر دیا۔ جملہ ترامیم یا تو گر گئیں یا واپس لے لی گئیں اور ریزولیوشن
صرف سبجیکٹس کمیٹی اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں پاس ہو گیا بلکہ کھلے
اجلاس میں بھی بھاری اکثریت سے پاس ہو گیا۔ اس ریزولیوشن کو سرے
چڑھانے میں جو جو ہتھکنڈے ذمہ داران بائیں ان گاندھی بھگتوں نے کیں سن کر جسم
رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مستعفی ہوتے وقت تو ان لوگوں نے اعلان کئے
تھے۔ کہ وہ کسی ایسی حرکت کے مرتکب نہ ہوں گے۔ جو کہ بائیں بازو کی پالیسی
میں مداخلت کا باعث ثابت ہو اور نہ ہی اپنے ذاتی رسوخ کو اس سے
زیادہ استعمال کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور ان کے سب سے بڑے لیڈر
نے بھی ان کو ظاہرا طور پر بھی مشورہ دیا تھا کہ کانگریس کے باہر رہ کر اس کی زیادہ
خدمت کر سکتے ہیں۔ لیکن طاقت ایسی چیز ہے جس کے چھن جانے پر انسان
کو نیند نہیں آتی۔ چنانچہ مشورے ہوئے۔ مسٹر پنت کے، ذریعہ ریزولیوشن
پیش ہوا۔ اور اس کو پاس کرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا۔ اس
وقت جو لوگ تری پوری میں موجود تھے۔ ان کو اس امر سے انکار ممکن نہیں
کہ کانگریسی رہنما آدھی رات کے وقت ڈیلیگیٹوں کے ایک ایک کیمپ

سکے اندر خود گھس گئے اور اُن کے سامنے گڑگڑائے۔ اپنی پرانی قربانیوں کے تذکرے کئے اور امداد کی درخواستیں کیں۔ اس سے بڑھکر کہا جاتا ہے کہ لوگوں کو خریدنے کی کوشش بھی کی گئی۔ سوشلسٹ پارٹی جو آخری دم تک بوس گروپ کی امداد کا دم بھرتی تھی۔ آخری وقت پر اُسے جواب دے گئی۔ اس کی تہ نہیں کیا تھا۔ اُن قیاس آرائیوں سے اور پارٹی کے اس رویہ کے بعد متعدد سرکردہ سوشلسٹ لیڈروں کی علیحدگی سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے مسٹر بوس کو ذلیل کرنے میں اور خود دوبارہ طاقت میں آجانے میں تو وہ کامیاب ہوگئے لیکن بدقسمتی سے اِس عظیم الشان جماعت کے اندر نفاق انتشار اور اختلاف کے بیج اس قدر بو دئیے۔ کہ کافی حد تک اس کی تنظیم میں کمزوری واقع ہوگئی۔

اب تو لوگوں کو کامل توقع ہوچکی تھی کہ سبھاش بابو صدارت سے مستعفی ہوجائیں گے جس کا اعلان شاید کھلے اجلاس میں کردینگے۔ آپ کی صحت کا اس وقت یہ عالم تھا کہ مسٹر ہینڈری سول سرجن جبلپور اور بمبئی کے ڈاکٹر گلڈر نے آپ کا معائنہ کرنے کے بعد صاف لفظوں میں اعلان کر دیا۔ کہ آپ کو نہ صرف بڑا زیادہ بخار آتا ہے۔ آپ کے پھیپھڑے بھی خراب ہوچکے ہیں۔ دائیں پھیپھڑے میں تو نمونیا کی بھی شکایت ہوگئی تھی۔ چنانچہ ہر دو ڈاکٹر صاحبان نے مشورہ دیا کہ فوراً ان کو کسی ہسپتال میں پہنچا دیا جائے۔ ورنہ آپ کی زندگی خطرے سے خالی نہیں۔

محب الوطنوں کے سرتاج جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ آزادی وطن

پر بچھاور ہو چکا ہو۔ اس کی اتنی تشویشناک حالت سے فرشتے بھی کانپ رہے تھے۔ لیکن یہ ایک پوشیدہ امر نہیں کہ آپ کے مخالفوں نے دانستہ طور پر آپ کی اس علالت کا فائدہ اٹھا کر آپ کو بے حد ذلیل کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

جب پنڈت جواہر لال کو اس بات کی ترغیب دینے کے لئے آپ کے پاس گئے۔ کہ وہ جبلپور ہسپتال میں جانے پر رضامند ہو جائیں تو آپ نے نہایت عظیم الشان الفاظ میں جواب دیا۔ " میں جبلپور ہسپتال جانے کے لئے یہاں نہیں آیا۔ اجلاس ختم ہونے سے پہلے کسی جگہ بھی لے جایا جانے سے میں یہاں مر جانا بہتر سمجھتا ہوں۔"

کیا ہی شاندار اور بہادرانہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلے آپ واقعی ایک مردِ میدان اور بہادر ہیں۔ آپ نہ صرف اپنے ساتھیوں کی نظرِ عنایت کا اچھی طرح سے مقابلہ کر رہے تھے۔ بلکہ قدرت کے حملوں کا بھی اچھی بہادری سے سامنا کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس سے بڑھ کر غم زدہ وقت کسی قوم کی تواریخ میں کیا آسکتا ہے۔ قوم کا بے تاج بادشاہ نہایت تیزی کے ساتھ موت کے منہ میں جا رہا تھا۔ ملک کا سب سے بڑا آئینی رہنما اور منتخب شدہ نمائندۂ وطن کی آزادی اور قوم کی بہتری پر اپنی جانِ عزیز کی بازی لگا رہا تھا۔ زمین پر انسان اور آسمان پر فرشتے کانپ رہے تھے۔ لیکن یہ سب کچھ عدم تشدد کے دلیوتا کے دل میں رحم نہ لا سکے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے بار بار راجکوٹ میں بیٹھے مہاتما سے ٹیلیفون

پر باتیں کہیں۔ خیال کیا جاتا تھا۔ کہ آپ کو صاحب صدر کی تشویشناک علالت اور تری پوری کے ہنگامی مظاہروں سے مطلع کیا گیا۔ لیکن معلوم ہوتا تھا۔ کہ آپ چٹان کی طرح پتھر دل بنا کر ڈٹے ہوئے تھے اور رحم اور انسانی ہمدردی کو جگہ دینے کے لئے بالکل تیار نہ تھے۔

تمام ملک میں نوجوانوں نے اور خاص کر بنگال کے لوگوں نے مہاتما جی کے اس غیر ہمدردانہ رویہ پر بہت ہی افسوس کیا۔ بنگال کے مشہور انگریزی اخبار ہندوستان سٹینڈرڈ اس پر رائے زنی کرتے ہوئے ایک لیڈنگ آرٹیکل لکھا جو کہ نہایت ہی دلچسپ اور بنگال کے جذبات کا آئینہ تھا۔ چنانچہ اس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"تری پوری میں جمہوریت اور تدبر کو طاق نسیان پر رکھ دیا گیا ہے۔ اور اس سیشن میں سازش۔ انتقام۔ حسد۔ کینہ اور غیر ذمہ داری کی فتح ہوئی ہے۔ اعتدال پسند کانگریس کے استحکام کو چکنا چور کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اب وہ اس عظیم الشان سیاسی جماعت کی قومی حیثیت کو ختم کر کے اسے ایک سازشی گروہ بنائیں گے۔ اخبار مذکور نے آگے چل کر لکھا ہے کہ جو مشورہ مہاتما گاندھی۔ نے صدارتی انتخاب کے بعد اپنے پیرووں کو دیا تھا۔ اس کا مقصد یہی تھا کہ پریذیڈنٹ پر عدم اعتماد کا اظہار کر کے کانگریس کی مشینری پر قبضہ کیا جائے۔ اعتدال پسند بظاہر فیڈریشن کے خلاف ہیں۔ لیکن در پردہ اسے قبول کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔

کانگریس کا کھلا اجلاس بھی ختم ہو گیا۔ لیکن یہ توقع کہ آپ مستعفی ہو جائینگے

پوری نہ اتری۔ آپ نے اعلان کر دیا کہ آپ ریزولیوشن کے مطابق مہاتما جی کی مرضی کے مطابق ورکنگ کمیٹی مرتب کرینگے۔ لیکن آپ کو کیا معلوم تھا۔ کہ آپ کے خلاف تو شروع سے اخیر تک ایک سازش جاری ہو چکی تھی چنانچہ آپ نے تری پوری چھوڑتے وقت اعلان کیا کہ جونہی آپ کی صحت نے اجازت دی۔ آئندہ پروگرام اور ورکنگ کمیٹی مرتب کرنے کے لئے مہاتما جی سے ملاقات کرینگے۔

دن گزرتے گئے لیکن صاحب صدر کی صحت میں کوئی فرق نہ پڑا۔ عدم صحت کے سبب سے آپ کیسے مہاتما جی کے پاس جا سکتے تھے۔ چنانچہ آپ نے مہاتما جی سے درخواست کی کہ اگر وہ خود کلکتہ تشریف لا سکیں تو تمام معاملات نبٹے جا سکتے ہیں۔ لیکن آپ کی اس درخواست کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلے کسی ایک کا ہو چکا تھا۔ مخالفوں نے موقع تاڑ کر اب آپ کو بدنام کرنا شروع کر دیا کہ ورکنگ کمیٹی کے مرتب نہ ہونے سے کانگریس کے کام میں رکاوٹ پڑ رہی ہے۔

انذریں حالات آپ نے مہاتما جی سے خط و کتابت شروع کر دی۔ آپ کی مکمل خط و کتابت کتاب کے اخیر میں درج کی گئی ہے۔ تاکہ ناظرین کو پتہ چل سکے کہ کس حد تک سبھاش حق پرستی اور صداقت پر تلے ہوئے تھے اور مہاتما جی نے کس سرد مہری کے ساتھ آپ کی خواہشات کو ٹھکرا یا

خط و کتابت پر لاہور کے سول ملٹری اخبار نے جو کہ صدارتی مباحثہ میں ہمیشہ سبھاش بابو کے خلاف اور گاندھی جی کے حق میں لکھتا رہا تھا

اس کے فاضل ایڈیٹر نے رائے زنی کرتے ہوئے لکھا کہ

"بہت سے لوگ جنہوں نے خط و کتابت کو پڑھا اور جو پس پردہ حالات سے واقف ہیں۔ ہر دو شخصیتوں یا ان کے اصولوں کے متعلق اُن کی کچھ ہی رائے کیوں نہ رکھتے ہوں نتیجہ نکالیں گے کہ لفظوں کے نبرد میں مسٹر بوس بہت ہی شان کے ساتھ بڑھ چڑھ کر کامیاب رہے ہیں۔ مسٹر گاندھی نے ہمیشہ وجاہت سے انکار کیا۔ شاذو نادر ہے کہ آپ نے دلیل کا جواب دلیل سے دیا ہو اور ہر کسی ٹھوس تجویز کا جواب آپ نے انکار ہی سے دیا۔"

سول ملٹری گزٹ کے ایڈیٹر نے جس قابلیت کے ساتھ اس خط و کتابت پر رائے زنی کی ہے۔ واقعی وہ مبارک کا مستحق ہے۔ اس سے بہتر شاید کچھ بھی نہ لکھا جا سکے۔

سبھاش بابو نے اپنے خطوط میں ہر چند کوشش کی کہ جو بھی ناخوشگوار واقعات یا الفاظ کا تبادلہ صدارتی انتخاب کے وقت ہوا اس پر مٹی ڈالی جا سکے لیکن بدقسمتی سے وقار کا جو وہم مہاتما جی پر سوار تھا اس نے دلائل کو انکار سے رد کر دیا۔ چنانچہ ہر ایک چٹھی میں پیش کی گئی ٹھوس تجویز کو ناقابل عمل قرار دے دیا گیا۔ اور جیسا کہ بعد کے حالات سے معلوم ہوا۔ مہاتما جی سبھاش بابو کے استعفٰے کے سوا کسی تجویز سے مطمئن نہ ہو سکے۔

اندریں حالات بغیر کسی تسلی بخش نتیجہ کے صدر کانگریس اور مہاتما جی کی تواریخی خط و کتابت ایک ابتری کی حالت میں ختم ہوئی اور بستر علالت میں پڑے ہوئے اس نوجوان رہنما کی مصیبتوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

صدارت سے مستعفی

صاحب صدر کی علالت اور مہاتما جی کے تعاون سے انکار نے ایسی صورت حالات پیدا کر دی کہ کافی عرصہ تک کانگریس کا کوئی اجلاس نہ ہو سکا۔ تری پوری کانگریس کے سشر ریزولیوشن نے صاحب صدر کو بالکل مہاتما جی کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی بنا دیا تھا۔ اس لئے ورکنگ کمیٹی مرتب نہ ہو سکی۔ اندریں حالات کانگریس کا کام بالکل رک گیا۔

ان دنوں یورپ کا امن خطرہ میں پڑ رہا تھا۔ ہٹلر اپنی طاقت کے زور سے تمام کمزور قوموں کی آزادی کو دھمکیاں دے رہا تھا۔ برطانیہ جس نے ہمیشہ سے ہی جمہوریت کا محافظ ہونے کا دعوے کیا اس کے لئے لازمی ہو گیا تھا کہ ہٹلر کی اس سینہ زوری کو بڑھنے سے روکے۔ ہندوستان چونکہ ایک ایسا ملک ہے جس کی قسمت کا فیصلہ قطعاً برطانیہ کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا برطانیہ کی شکست یا اس کی بہتری یا ابتری کا اثر ہندوستان پر ہونا لازمی تھا صدر کانگریس جو ان تمام نتائج سے اچھی طرح بیدار تھے۔ آپ نے فوراً آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس کلکتہ میں بلایا تاکہ ہونے والی جنگ مہاتما کے عدم تعاون، ورکنگ کمیٹی کی عدم موجودگی اور اس کے نتائج کا تذکرہ کر کے

کسی خاطر خواہ فیصلہ پر پہنچ جائے۔ چنانچہ ۲۸ اپریل ۱۹۳۹ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا یہ یادگاری اجلاس کلکتہ میں منعقد ہونا قرار پایا۔

جن لوگوں نے بنگال کے اس نوجوان رہنما کو تری پوری میں ذلیل کر کے اپنی چھنی ہوئی طاقت کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان لوگوں کے دلوں میں یہ ڈر پیدا ہونے لگے کہ تری پوری کے واقعات کا بدلہ کلکتہ میں نہ لیا جائے۔ چنانچہ اخبارات میں چند تجویزیں نکلیں کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس کلکتہ میں نہ ہونا چاہیئے۔ جب سبھاش بابو کو اس امر کا پتہ چلا۔ آپ نے فوراً اخبارات میں ایک بیان جاری کر کے سیاسی مخالفین کو یقین دلایا کہ بنگال کے لوگ مہمان نوازی کے لئے مشہور ہیں۔ چنانچہ کسی بھی شخص کو کسی قسم کا اندیشہ دل میں نہ رکھنا چاہیئے۔ علاوہ ازیں آپ نے بنگال کے نوجوانوں سے اپیل کی کہ کسی قسم کی ناز یبا حرکت کر کے ایک نیک نام صوبہ کی شاندار روایتوں پر دھبہ مت آنے دیں۔

چنانچہ میٹنگ منعقد ہوئی۔ بنگال کا عوام گو سردار پٹیل اور اس کے ساتھیوں سے سخت ناراض تھا۔ جنہوں نے بستر علالت پر پڑے ہوئے صوبہ کے ہر دلعزیز لیڈر کو تری پوری میں بری طرح ذلیل کرنے کی کوشش کی تاہم چند ایک ناخوشگوار واقعات کے سوا بنگال کے عوام نے کوئی نازیبا حرکت نہ کی۔ چند نوجوانوں نے سردار پٹیل اور بابو راجندر پرشاد پر ایک جوتا پھینکا لیکن وہ بھی ایک وقتی جوش کا نتیجہ تھا۔ جس کے لئے مسٹر بوس نے پبلک طور پر اپنے افسوس کا اظہار کیا۔

تری پوری کی فتح کو برقرار رکھنے کے لئے دائیں بازو کے لیڈر اور ان کے پیرو بھاری تعداد میں پہنچ چکے تھے۔ غیر جانبدار لوگوں نے ہر چند کوشش کی کہ صدارتی انتخاب میں پیدا ہونے اور تری پوری میں پرورش پاکر بڑے ہونے والے عظیم انتشار کو کلکتہ میں ختم کر دیا جائے۔ لیکن کانگرس کے اتحاد کی بدبختی سمجھئے چند لوگ ایسے موجود تھے جو صدر کانگرس کے استعفٰی سے کسی بھی کم چیز پر مطمئن نہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہو کر رہا۔ جن ارادوں کی پرورش بارودلی۔ واردھا۔ راجکوٹ کی مجلسوں میں ہوئی تھی وہ پورے ہو کر رہے سبھاش بابو نے جب دائیں بازو کے لیڈروں کو بضد دیکھا تو آپ صدارت سے مستعفی ہو گئے۔ ڈر تھا کہ کانگرس کی باہمی پھوٹ اسے بالکل کمزور اور نکمانہ کر دے۔ چنانچہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس میں اپنا استعفٰی پیش کر دیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک ریزولیشن کے ذریعہ سبھاش بابو سے درخواست کی کہ استعفٰی کو واپس لے لیں۔ لیکن جن واقعات سے مجبور ہو کر آپ نے استعفٰی داخل کیا تھا۔ آپ کو قطعاً کوئی اعتماد نہ رہا تھا کہ دائیں بازو کے لیڈر کبھی بھی آپ کے ساتھ تعاون کریں گے۔ اندریں حالات آپ نے استعفٰی واپس لینے سے قطعاً انکار کر دیا اور پنڈت جی نے اپنا ریزولیشن واپس لے لیا۔

آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے اب بابو راجندر پرشاد کو کانگرس کا صدر چنا۔ نئے صدر نے رہی پرانی ورکنگ کمیٹی چنی۔ سبھاش بابو۔ سرت۔

چندر بوس اور پنڈت نہرو کے سوا تمام پرانے ممبران کمیٹی میں لے لئے گئے
چتوڑ گڑھ کا وہ قلعہ جسے سر کرنے کے لئے وار دھا سے توپیں
چلتی تھیں ۔ تراوڑی کا وہ معرکہ جسے فتح کرنے کے لئے بار بار دلی اور وارد ھا
میں وار کونسل کے اجلاس ہوتے رہے آخر فتح ہو کر ہی رہے ۔ سردار
پٹیل اور آپ کے ساتھیوں کے کھوئے ہوئے وقار اور آپ کے مرجھائے
ہوئے ارادے پھر سے نئی امنگیں لینے لگے ۔ پٹنہ ۔ بمبئی لکھنو اور وردھا
میں اظہار اطمینان کے تبادلے ہونے لگے ۔ سردار پٹیل اور آپ کے ساتھی
ایک بار پھر طاقت میں آگئے ۔
راجندر بابو کو صدر بنایا گیا ۔

باب ششم

فارورڈ بلاک

پس ان ناخوشگوار حالات کے درمیان کانگریس سے سبھاش بابو کا دورہ ختم ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کانگریس کے پرانے لیڈروں کے رویہ سے سخت نالاں اور مایوس تھے۔ تاہم آپ آزادی وطن کی راہ سے پرے نہیں ہٹ سکتے تھے۔ آپ ملک کے نوجوانوں کے جذبات سے کافی حد تک واقف تھے۔ آپ جانتے تھے کہ باوجود اس امر کے کہ کانگریس کے لیڈر دوبارہ طاقت میں آ چکے ہیں۔ ملک کے نوجوان قطعی طور پر دائیں بازو کے لیڈروں کی پالیسی کے ساتھ جانے کو تیار نہیں۔ چنانچہ آپ نے کانگریس کے اندر ایک نئی پارٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔

آج سے کانگریس کی ہسٹری میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوتا ہے اس سے پہلے ورکنگ کمیٹی جو چاہتی کرتی۔ تحریکیں چلائی جاتیں یا معاہدے کرلئے جاتے نوجوانوں اور دیگر انتہا پسند جماعتوں یا افراد کی خواہشات کا احترام بہت کم کیا جاتا اور اکثریت کے زور پر جو چاہتے کر جاتے۔ لیکن ان من مانی کارروائیوں کو روکنے کے لئے اب کانگریس کے اندر ایک نیا بازو تیار ہونے لگا سبھاش بابو جو قوت تنظیم میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے فوراً ہی

کانگرس کے اندر انتہا پسند عنصر کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ اس مطلب کے لئے ایک میٹنگ کلکتہ میں بلائی گئی۔ جس میں تمام انتہا پسند جماعتوں کے نمائندے مدعو کیے گئے اور ایک نئی پارٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کا نام فارورڈ بلاک رکھا۔

اس جماعت کے ہر ممبر کے لئے لازم تھا۔ کہ کانگرس میں رہ کر آزادی وطن کی جدوجہد میں شامل ہو اور ملک کو جنگ کے لئے تیار کر کے لیڈروں کو بگل بجانے کے لئے مجبور کرے۔ صدر کانگرس اور دیگر بزرگوں نے اس جماعت کے قیام کی مخالفت کی۔ مخالفوں نے طرح طرح کی باتوں سے اسے بدنام کرنا چاہا۔ لیکن آخر یہ جماعت قائم ہو کر ہی رہی۔

آل انڈیا فارورڈ بلاک کی پہلی کانفرنس بمبئی میں منعقد ہوئی اور مسٹر بوس کو وہاں کا صدر منتخب کیا گیا۔ آپ نے اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ اس جماعت کے دشمن طرح طرح کی غلط افواہیں اور بے بنیاد پراپیگنڈا کر رہے ہیں یہاں تک بھی کہا جاتا ہے کہ فارورڈ بلاک تشدد پر مبنی ہے اور اس کے لئے مالیات ممالک غیر سے آتے ہیں۔ آپ نے نہایت زوردار الفاظ سے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ اس جماعت کے لئے روم ۔ برلن۔ ٹوکیو یا ماسکو سے روپیہ نہیں آرہا۔ یہ ہمارے مخالفوں کا شیطانی پروپیگنڈا ہے جو کہ ہمیں بدنام کرنے میں ہر جائز و ناجائز طریقہ اختیار کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

کانفرنس میں ملک کے انتہا پسند د۔ ل نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا

چند نہایت ضروری ریزولیشن پاس کئے گئے اور بلاک فارورڈ کی پہلی کانفرنس امید افزا حالات میں ختم ہوئی۔

تادیبی کارروائی

گو آپ نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ لیکن آپ صوبہ کانگریس کمیٹی بنگال کے صدر تھے۔ ان دنوں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے دو ریزولیوشن۔ ایک صوبہ کانگریس کے وزارتوں کے ساتھ تعلقات کے متعلق، دوسرا صوبہ کانگریس کمیٹی اور ستیہ گرہ کے متعلق پاس کئے۔

سبھاش بابو ان ہر دو ریزولیشنوں سے اختلاف رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی مخالفت کرنے کے لئے ایک آل انڈیا ڈے کیا۔

دوسری طرف دائیں بازو کے تمام لیڈر سبھاش بابو کی ان کارروائیوں سے راضی نہ تھے۔ کسی موقعہ کی تلاش میں تھے۔ کہ آپ کو پبلک لائف سے بالکل علیحدہ کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ موقعہ غنیمت سمجھا گیا۔

بابو راجندر پرشاد صدر کانگریس نے آپ کو متنبہ کیا کہ کانگریس کا کوئی عہدیدار آل انڈیا کانگریس کے پاس شدہ ریزولیوشنوں کی کھلم کھلا مخالفت نہیں کر سکتا لیکن آپ کے کہنے کے باوجود بھی یہ دن آل انڈیا میں منایا گیا۔

چنانچہ آپ کو باغی قرار دیا گیا۔ اور آپ سے جواب طلبی کی گئی کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے پاس شدہ ریزولیشنوں کے خلاف مظاہرے کیوں کئے گئے ہیں آپ نے مندرجہ ذیل جواب صدر کانگریس بابو راجندر پرشاد کو بھیجا۔

میرے پیارے راجن بابو!

مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کی ۱۶ تاریخ کی رانچی کی چٹھی کے جواب میں مجھے دیر ہوگئی ہے۔

آپ نے بمبئی میں پاس شدہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ریزولیوشنوں کے خلاف کئے گئے احتجاج کے سلسلہ میں مجھ سے جواب طلبی کی ہے۔

اول تو ایک آدمی کو کسی ریزولیوشن کے خلاف احتجاج کرنے اور مخالفت کرنے یا عدولی کرنے کے متعلق امتیاز کرنا ہوگا۔ اب تلک جو کچھ ہوا ہے وہ یہ ہے کہ میں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ریزولیوشنوں کے خلاف احتجاج کیا ہے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے پاس شدہ کسی بھی ریزولیوشن کے متعلق اظہار رائے کرنا میرا آئینی حق ہے۔ آپ شاید تسلیم کریں گے۔ کہ بہت سے کانگریسیوں میں ایک رواج سا موجود ہے۔ کہ جب آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا کوئی خاص اجلاس ختم ہو جائے تو اس کے متعلق اظہار رائے کرتے ہیں۔

اگر آپ کانگریسیوں کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ریزولیوشنوں کے متعلق اظہار رائے کا حق دیتے ہیں تو آپ کوئی لائن کھینچ نہیں سکتے کہ محض موافق رائے کے اظہار کی تو اجازت دی جا سکتی ہے اور غیر موافق رائے کے اظہار کی اجازت نہ ہوگی۔

آپ کی چٹھی سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ناموافق اظہار رائے کی اجازت نہیں ہوگی۔ برطانوی سامراج شاہی سے کئی دوسری چیزوں کے علاوہ سول لبرٹی کے لئے ہم کتنے عرصہ سے لڑ رہے ہیں۔ سول لبرٹی۔ میں سمجھتا ہوں اس

کی زد میں آزادیٔ تقریر بھی آتی ہے۔ آپ کے نقطۂ خیال کے مطابق ہم کو آزادیٔ تقریر کا کوئی حق نہ ہونا چاہیئے۔ جبکہ ہم آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی ایک اکثریت کے ساتھ متفق نہ ہوں۔

یہ ایک عجیب حالت ہے کہ ہم کو برطانوی حکومت کے خلاف تو ترمیم تقریر کا حق ادا ور کانگرس یا اس کی کسی ماتحت شخصیت کے خلاف یہ حق حاصل نہ ہو۔ اگر ہم کو آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے ریزولیوشنوں کے خلاف جو کہ ہمارے خیال میں ملک کے لئے نقصان دہ ہیں رائے زنی کرنے کے حق سے محروم کیا جاتا ہے تو یہ جمہوری حق کے انکار کے مترادف ہوگا۔

کیا میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ جمہوری حق کانگرس کے باہر قابل عمل ہو سکتے ہیں اور اس کے اندر نہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ تسلیم کریں گے کہ کوئی بھی ریزولیوشن جو کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے پاس کیا ہو، یہ اجازت ہوتی ہے کہ کسی آئندہ میٹنگ میں دوبارہ نظر ثانی کرا سکیں۔ تبدیل کروا سکیں یا منسوخ کروا سکیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اور بھی میرے ساتھ متفق ہوں گے کہ اقلیت کے لئے یہ کھلا ہوتی ہے کہ اکثریت کو اپنے نقطۂ خیال میں بدلنے کے لئے پراپگنڈا کر سکے۔

اب ہم پبلک جلسے کرنے یا اخبارات میں لکھنے کے سوا کانگرسیوں تک کس طرح اپیل کر سکتے ہیں؟

کانگرس آج مٹھی بھر آدمیوں کی جماعت نہیں۔ اس کے ممبروں کی تعداد مجھے یقین ہے ۴۵ لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے۔ ہمیں ہر ایک کانگرسی

کو اپنے نقطہ خیال میں بدلنے کے لئے تب ہی امید ہو سکتی ہے کہ ہم اخبارات میں لکھیں یا پبلک جلسے منعقد کریں۔

اگر آپ اس پر قائم ہیں کہ ایک دفعہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی میں پاس شدہ ریزولیوشن ہمیشہ کے لئے برقرار رہنا چاہیئے۔ اب آپ ان جلسوں کی ممانعت کرنے میں واقعی حق بجانب ہیں۔ لیکن اگر آپ ہمیں یہ حق بخشتے ہیں۔ کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے پاس شدہ کسی ریزولیوشن کو اسے جماعت ہی یا کانگرس کے کھلے اجلاس میں نظر ثانی کرا سکیں۔ ترمیم کرا سکیں۔ تبدیل کرا سکیں یا منسوخ کرا سکیں۔ تب مجھے سمجھ نہیں آتا کہ آپ اس رائے زنی کی زبان بندی کیسے کر سکتے ہیں۔ جس کی کہ آپ کوشش کر رہے ہیں۔

مجھے ڈر ہے کہ جس طرح لفظ ضبط (ڈسپلن) کی آپ تشریح کر رہے ہیں۔ میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔ میں اپنے آپ کو ایک ضبطی تصور کرتا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ ضبط کے نام پر آپ جائز رائے زنی کو بند کر رہے ہیں۔

ضبط کا یہ مطلب نہیں کہ ایک آدمی کو کسی ریزولیوشن کے خلاف جو کہ ہمارے خیال میں ملکی مفاد کے خلاف ہیں احتجاج کرنے کے جمہوری یا آئینی حقوق سے محروم کر دیا جائے۔ ان ہر دو ریزولیشنوں کی خوبیوں کو غور سے دیکھا جائے تو پتہ چل جائے گا کہ ان کے خلاف واقعی احتجاج نہایت ضروری تھے

ہمارے خیال میں ان ہر دو ریزولیوشنوں پر عمل درآمد ہوا تو کانگرس کے تنظیم کی قیمت پر آئین کی طرف جھکاؤ اور صوبجاتی وزراء کا رسوخ بہت

بڑھ جانے کے باعث بن جائے گا۔ بنیادی طور پر کانگریس کو جنرل پبلک سے علیحدہ کر دے گا۔ اور آل انڈیا کانگریس کو انفرادی کانگریسیوں سے علیحدہ کر دیگا اس کے علاوہ کانگریس کی انقلابی روش کو دباو دینے کا باعث بنیں گے چنانچہ ملک کے بہترین مفاد کے پیش نظر یہ ہر دو ریزولیشن کو اس وقت تک التوا میں رکھا جائے۔ جب تک کہ اخیر میں جائز طور پر تبدیل نہ کیا جائے یا واپس لیا جائے۔

اس سلسلہ میں میں آپ کی توجہ ۱۹۲۲ء کی گیا کانگریس کے چند ایک واقعات کی طرف کروائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ براہ مہربانی آپ بھول نہ جائیں کہ سوراج پارٹی نے اس وقت کیا کیا تھا۔ براہ مہربانی آپ اسے کبھی فراموش نہ کریں کہ جب آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے گیا کانگریس کے ریزولیوشنوں میں ترمیم کی۔ تو گجرات پراونشل کانگریس کمیٹی نے اس کی مخالفت کرنے کا مصمم ارادہ کیا۔

اخیر میں اگر میری یاد ٹھیک ہے براہ مہربانی اسے کبھی نہ بھولیں۔ کہ مہاتما گاندھی نے "ینگ انڈیا" میں لکھا تھا کہ اقلیت کو بغاوت کرنے کا حق حاصل ہے۔ ہم ابھی تک اکثریت کے فیصلہ کے خلاف حقیقی بغاوت کرنے کی حد تک نہیں پہنچے۔ ہم نے صرف مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اکثریت کے پاس شدہ ریزولیوشنوں پر نکتہ چینی کرنے کی کوشش کی ہے۔

مجھے تعجب ہے کہ آپ نے اس معاملہ کو اتنا لمبا چوڑا بنا دیا ہے۔ جسے کہ ہم اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری جواب طلبی کو تسلی بخش طور پر قبولیت بخشیں گے۔ اور اگر آپ نہیں کرتے اور آپ نے انضباطی کارروائی کرنے

کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تو میں بخوشی اس کاز کے لئے جسے کہ میں انصاف پر مبنی سمجھتا ہوں، اس کا سامنا کرنے کو تیار ہوں۔

آخیر میں میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر کسی بھی کانگرسی کو ۹ جولائی کے واقعات کے سلسلہ میں سزا دی گئی تو آپ میرے خلاف بھی کارروائی ضرور کرینگے۔ اگر ۹ جولائی کا آل انڈیا ڈے منانا جرم ہے تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں سب سے بڑا مجرم ہوں۔

دستخط سبھاش چندر بوس

اس چٹھی میں دیے گئے دلائل کی روشنی میں ضرورت تو اس امر کی تھی کہ کوئی ایسا سخت قدم نہ اٹھایا جائے۔ جس سے آگے ہی بڑھا ہوا انتشار اور زیادہ بڑھ سکے۔ لیکن انتقامی جذبہ دلائل و وجوہات کو عام طور پر اڑا کر دیتا ہے۔ چنانچہ بابو راجندر پرشاد صدر کانگرس نے ورکنگ کمیٹی کا اجلاس واردھا میں بلایا اور سبھاش بابو کے خلاف تادیبی کارروائی پر غور ہوا۔ چنانچہ متفقہ طور پر مندرجہ ذیل ریزولیوشن پاس کیا گیا۔

"ورکنگ کمیٹی نے شری بت سبھاش چندر بوس انڈین نیشنل کانگرس اس سے پہلے صدر کی آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی پچھلی میٹنگ میں پاس شدہ ریزولیشنوں موسومہ" صوبوں میں ستیہ گرہ اور کانگرس وزارتیں اور صوبجات کانگرس کمیٹیاں کی کارروائی پر اچھی طرح سے غور کیا ہے۔

ورکنگ کمیٹی نے اس سلسلہ میں لکھی گئی سبھاش بابو کی لمبی چھٹی پر بھی غور کیا ہے۔ ورکنگ کمیٹی بڑے افسوس اور مجبوری کے ساتھ اس نتیجہ

پر پہنچی ہے۔ کہ آپ نے اصلی بڑے نقطہ کو جو کہ صدر انڈین نیشنل کانگرس نے کھڑا کیا ہے۔ جیسا کہ آپ کے اعلان سے ظاہر ہوتا ہے۔ قطعاً نظرانداز کر دیا ہے۔

ایک سابق صدر کی حیثیت میں آپ کو محسوس کرنا چاہیئے تھا کہ صدر کانگرس کی طرف سے پیشتر کی ملی ہوئی ہدایات کو قوم کا ایک خادم ہونے کی حیثیت میں بے کم و کاست تسلیم کر لیتے۔ خواہ وہ صدر کانگرس کے رولنگ سے اختلاف بھی رکھتے تھے۔

اگر آپ کو رولنگ سے کوئی رنج تھا تو آپ کے لئے پوری اجازت تھی کہ ورکنگ کمیٹی یا آل انڈیا کانگرس کمیٹی سے اپیل کرتے۔ لیکن جہاں تک صدر کی ہدایات موجود تھیں آپ کا فرض تھا کہ پوری وفاداری کے ساتھ بجالاتے۔

کبھی بھی تنظیم سے اور خاص کر انڈین نیشنل کانگرس جیسی عظیم جماعت کے باقاعدہ چلانے کے لئے جو کہ دنیا کی سب سے بڑی اور منظم سامراج شاہی سے زندگی اور موت کی جد و جہد میں مشغول ہے۔ اس کے لئے یہ پہلی شرط ہوتی ہے اور اگر جیسا کہ مسٹر سبھاش بوس کی چھٹی سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہر ایک ممبر آزادی سے کانگرس کے آئین کی تشریح کرنی شروع کر دے۔ تو کانگرس میں بالکل ہنگامہ اور بدنظمی پیدا ہو جائے گی۔ اور ضرور بر ضرور بہ بڑی ہی جلدی ٹکڑے ہو کر رہ جائے گی۔

ورکنگ کمیٹی اس افسوسناک نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اگر اس بدنظمی کو جس کا اظہار سبھاش بابو نے دیدہ دانستہ اور سرگرمی سے کیا ہے۔ اس پر چشم پوشی کر دے تو اپنے فرض کی کوتاہی کی مرتکب ہو گی۔

ورکنگ کمیٹی عزم کرتی ہے کہ بدنظمی کے اس سنگین عمل کے عوض میں بابو سبھاش چندر بوس کو اگست ۱۹۳۹ء سے بنگال کانگرس کمیٹی کی صدارت سے اور کسی بھی انتخابی کانگرس کمیٹی کی ضمنی ممبری سے دو سال کے لئے خارج کیا جاتا ہے۔

ورکنگ کمیٹی کو اعتماد ہے کہ سبھاش بابو اپنی غلطی کو محسوس کرینگے اور نہایت وفاداری کے ساتھ اس تادیبی کارروائی کے سامنے سر خم کرینگے۔

ورکنگ کمیٹی کے اس بے رحمانہ فیصلہ کو دیکھکر تمام ملک حیران رہ گیا آخر وہ ہوکر ہی رہا جس کی عرصہ سے توقع تھی وہ لوگ بھی اس فیصلہ کو بے رحمانہ کہنے لگے جو ہمیشہ سے ہی سبھاش بابو کے مخالف تھے۔

جونہی پریس رپورٹر نے آپ کو یہ فیصلہ سنایا تو آپ نے بالکل حیرانی کا اظہار نہ کیا۔ کیونکہ آپ کو واردھا کی مہربانیوں کا اچھی طرح سے علم تھا۔ سبھاش بابو آج سے کسی ضمنی کانگرس کمیٹی کے ممبر بھی نہ تھے۔ دوسری طرف بنگال پراونشل کانگرس کمیٹی نے ایک ریزولیشن کے ذریعہ سبھاش بابو پر کامل اعتماد کا اظہار کر دیا۔ اب عجیب حالت پیدا ہوگئی تھی۔ بنگال میں ورکنگ کمیٹی کا وقار خطرہ میں پڑ گیا تھا۔ اب ورکنگ کمیٹی کے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

یا تو وہ اپنے کئے گئے فیصلہ کا احترام نہ ہوتا دیکھ کر خاموشی اختیار کر لیتے یا بنگال صوبہ کانگرس کمیٹی کے خلاف بھی انضباطی کارروائی کرتے۔ چنانچہ ایسا

میں ہوا۔ صوبہ کانگرس کو معطل کر دیا گیا۔ اور اس کے مقابلہ میں ایک متوازی کانگرس کمیٹی کھڑی کر دی گئی۔

رامگڑھ کانگرس

۱۹۴۰ء میں کانگرس کا سالانہ اجلاس رامگڑھ میں ہونا قرار پایا۔ سبھاش بابو تو میدان سے ہی نکال دئیے گئے تھے۔ چنانچہ دائیں بازو کے لیڈروں کو اتنی مشکل پیش نہ آئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مسٹر ایم۔ این رائے دو امیدوار صدارت کے لئے موجود تھے۔ انتخاب ہوا اور مولانا آزاد بھاری اکثریت سے صدر بنا دئیے گئے۔

ان دنوں جنگ یورپ پورے زوروں پر تھی۔ قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں۔ کہ دائیں بازو کے لیڈروں اور حکومت کے درمیان سمجھوتہ ہو جائیگا کانگرس کے اجلاس میں تو سبھاش بابو شریک ہو نہ سکتے تھے چنانچہ رامگڑھ میں آپ نے ایک اینٹی کمپرومائنز کانفرنس منعقد کی اور کانگرس کے لیڈروں کو متنبہ کر دیا کہ کسی قسم کا سمجھوتہ نوجوان ہندوستان کو منظور نہ ہو گا۔

بلیک ہول یادگار ایجیٹیشن

کلکتہ کے مشہور راہگذر پر ایک یادگاری معبرہ سا بنا ہوا ہے۔ جسے تواریخ ہند میں بلیک ہول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس طرح پنجاب میں لاہور کی مال روڈ پر واقعہ لارڈ لارنس کا بت پنجاب کے لوگوں کے لئے

کافی عرصہ تک ایک عظیم ایجی ٹیشن کا باعث بنا رہا۔ اس طرح کلکتہ میں یہ یادگار بنگالی نوجوانوں کے لئے ایک عرصہ سے بے عزتی کا باعث بنی ہوئی تھی۔

کئی بار اس یادگار کو ہٹا دینے کا مطالبہ گورنمنٹ کے سامنے رکھا گیا لیکن چونکہ ایجی ٹیشن کے پیچھے کوئی مضبوط ہاتھ نہ تھا۔ لہذا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ سبھاش چندر بوس جو غیرت کی خاطر ہمیشہ اپنے آپ کو عظیم سے عظیم طاقت سے ٹکرا دینے سے گریز نہیں کرتے۔ اب آپ نے اس منحوس یادگار کو مٹا دینے کا تہیہ کیا۔

چنانچہ آپ نے حکومت کو ایک عرصہ کا الٹی میٹم دے دیا کہ اگر فلاں وقت کے اندر اندر اس یادگار کو کلکتہ کے بازار سے ہٹا نہ دیا گیا تو ایک منظم ایجی ٹیشن اس کے برخلاف شروع کی جائے گی۔

ابھی تحریک شروع ہونے بھی نہ پائی تھی کہ آپ کو ۲ جولائی ۱۹۴۰ء کو ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت گرفتار کر لیا گیا۔

اگرچہ آپ کی گرفتاری عمل میں لائی جا چکی تھی لیکن جس تحریک کا آغاز آپ نے کرنا تھا وہ بند نہ ہو سکی۔ ہر روز ستیہ گرہیوں کے جتھے گرفتار ہونے لگے۔ حتیٰ کہ گورنمنٹ مجبور ہو گئی۔ اور یادگار کو وہاں سے ہٹا کر کسی محفوظ جگہ پہنچا دیا گیا۔

اس بار جبکہ آپ ابھی جیل میں تھے تو بنگال میں ایک ضمنی انتخاب کے سلسلہ میں سنٹرل اسمبلی میں آپ کو بلا مقابلہ منتخب کر کے بھیج دیا گیا۔

بنگال کے اندر ان دنوں جیلوں میں کچھ ایجی ٹیشن جاری ہو گئی تھی سیاسی

قیدیوں نے اس سلسلہ میں ایک ہنگامہ برپا کیا ہوا تھا۔ کہ اُن سے بہتر سلوک روا نہیں رکھا جاتا۔ سبھاش بابو جنہیں مہاتما جی نے بھی ایک بار تسلیم کیا تھا کہ آپ پیدائش سے ہی لیڈر ہیں۔ آپ نے جیل میں چل رہی تحریک کی بھی رہنمائی کی۔ فوراً بھوک ہڑتال کر دی۔ آپ کی بھوک ہڑتال سے تمام بنگال کے سیاسی قیدیوں نے بھوک ہڑتال جاری کر دی۔ تحریک اتنے زوروں پر ہو گئی۔ کہ اس نے حکومت کی توجہ فوراً اپنی طرف مبذول کر لی۔

سبھاش بابو جن کی صحت آگے ہی خراب تھی۔ بھوک ہڑتال کی وجہ سے آپ کی حالت اور بھی زیادہ تشویشناک ہو گئی۔ تمام ملک میں احتجاجی جلسے ہونے لگے۔ اور سبھاش بابو کی غیر مشروط رہائی کا مطالبہ ہونے لگا۔ ہاؤس آف کامنز میں بھی مسٹر امری وزیر ہند پر سوالات کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ چنانچہ سبھاش بابو کو غیر مشروط طور پر رہا کرنے میں ہی حکومت نے بہتری سمجھی۔

پُراسرار گمشدگی

باردولی سے شروع ہونے والے مشورے جو تری پُوری میں عملی صورت میں دیکھے گئے۔ کلکتہ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد بھی اور وار دھا سے لے رحمانہ صورت میں پیش ہونے کے باوجود بھی ابھی ختم نہ ہوئے تھے۔ سبھاش چندر بوس کو محض اس جرم کی پاداش میں کہ ملک نے آپ کو رہنمائی کے لئے منتخب کیا تھا۔ بہت کچھ دیکھنا پڑا۔

گاندھی جی کی نظر عنایت سردار پٹیل اور اُس کے ساتھیوں کا حق

دوستی پنڈت پنت کے ہاتھوں ذلالت غرضیکہ مہربانوں کے طرح طرح کے ہتھکنڈے دیکھے۔ اور آپ کی جوانمردی کا صدقہ ملک نے کیا کچھ نہ دیکھا۔

محب الوطنی اور صدقدلی کے بدترین مظاہرے۔ عدم تشدد اور اہنسا کا ننگا ناچ۔ حسد اور کینہ کی اصلی تصویر غرضیکہ قربانیوں کے پردے میں انتقام کے شعلے دیکھے۔

انتقام کی آگ واردھا کے تاریخی فیصلہ اور سبھاش بابو کی شدید سزا پر بھی ٹھنڈی نہ ہوئی۔ اسمبلی کی کانگرس پارٹی کے اندر ابھی تک بوس برادران کا طوطی بول رہا تھا۔ چنانچہ مواقع آئے اور اُن کا پورے طور پر فائدہ اٹھایا گیا۔ پہلا ہی فیصلہ ہمیشہ آخری فیصلہ کی صورت اختیار کرتا رہا۔ سبھاش بابو جیل میں تھے کہ اس کھیل کو بھی ختم کر دیا گیا اندرونی طور پر فیصلے ہو چکے تھے۔ یکایک اخبارات میں خبر چھپی کہ شری یت سرت چندر بوس کو اسمبلی کانگرس پارٹی کی لیڈر شپ سے مولانا آزاد صدر کانگرس کے حکم سے برطرف کر دیا گیا ہے۔

جن لوگوں نے آپ سے وفاداری کا دم بھرا ان کو بھی اس قلیہ کا نشانہ بننا پڑا جیسے کہ بنگال اسمبلی کی کانگرس پارٹی کی ایک اکثریت کو کانگرس سے برطرف کر دیا گیا۔

سبھاش بابو نے جیل سے آتے ہی دو چار بیانات ایسے دیئے جو حد درجہ کے سخت تھے۔ آپ نے مولانا آزاد اور کانگرس ہائی کمانڈ کا

برخلاف بے حد پروٹسٹ کیا۔ آپ کے ان بیانات سے ثابت ہو رہا تھا کہ خلوص ملی بے کسی میں تڑپ رہی ہے۔ حب الوطنی مایوسی میں پریشان ہو رہی ہے۔ آپ کے ان بیانات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کچھ عجیب واقعات رونما ہونے والے ہیں۔ پس ان بیانات کے بعد کئی دن سبھاش بابو کے متعلق کچھ نہ سُنا گیا۔

۲۶ جنوری کا روز تھا۔ تمام ملک یوم آزادی کے منانے میں طرح طرح کے جلسوں۔ جلوسوں اور مظاہروں میں مشغول تھا کہ یکایک اخبارات میں خبر آئی کہ سبھاش بابو گم ہو گئے۔ ملک کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ جو بیانات کہ آپ کی گم شدگی کے بعد آپ کے عزیزوں اور رشتہ داروں نے دئے۔ اُن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ ملک کی موجودہ سیاسی کیفیت سے بہت بددل ہو گئے تھے کہا جاتا ہے۔ کہ مسلسل کئی یوم سے پہلے نے مون دھارن کیا ہوا تھا اور اکیلے اپنے کمرے میں بیٹھ کر چنڈی اور گیتا کا پاٹھ کرتے رہتے۔ جو چیز آپ کو ضرورت ہوتی چِٹ لکھ کر منگا لیتے۔ آپ کے کمرہ میں کسی کو جانے کی اجازت نہ تھی آپ کی خوراک صرف پھلوں کے رس اور دودھ وغیرہ پر ہی مشتمل تھی۔ سیاسی ملاقاتوں اور تقریبوں میں آپ بالکل شامل نہ ہوتے۔ جو لوگ آپ کو اس حالت میں دیکھتے تھے حیران تھے کہ کیوں ایک بہادر جرنیل اور مردِ مجاہد گوشہ تنہائی اختیار کئے ہوئے ہے۔

سردار سردول سنگھ کو یشر ایکٹنگ پریذیڈنٹ آل انڈیا فارورڈ

بلاک نے صرف چند ملاقاتیں آپ سے کیں اور آپ نے سبھاش بابو کی پر اسرار گمشدگی پر اظہار رائے کرتے ہوئے فرمایا کہ سبھاش بابو کانگریس کی موجودہ رہنمائی سے نہایت ہی بدظن تھے۔ اور آپ کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ سنیاس کی طرف آپ کی لگن ہے۔

آپ کی اس پُر اسرار گمشدگی کا پتہ ایک دن ضرور چل کے رہیگا لیکن جن لوگوں نے ایسے دلیر، قابل اور عظیم الشان سیاست دان کو محض اپنی طاقت کو برقرار رکھنے کے لئے ہندوستان کی سیاسی زندگی سے ایک زبردست دھکا لگایا ہے۔ ملک انہیں کبھی بھی معاف نہ کریگا ہو سکتا ہے کہ اپنی طاقت کے زور پر انہیں اس وقت یہ چیز محسوس ہو لیکن وہ وقت دور نہیں۔ جبکہ ہندوستان کا نوجوان بزرگانِ انہسا سے سبھاش بابو کی اس گمشدگی کی جواب طلبی کرے گا۔

جاتے جاتے بھی سبھاش نے ملک کے مفاد کو مدِّ نظر رکھ کر غیر مشروط طور پر اپنی خدمات مہاتما جی کے حوالے کر دی تھیں۔ لیکن طاقت کے نشہ سے مخمور مہاتما نے آپ کی خلوص دلی کی کوئی داد نہ دی اور آپ کو راشٹر کا سا جواب ملا۔

کئی روز آپ کو گم ہوئے ہو گئے ہیں۔ لیکن آج تک ملک کی سیاسی محفل میں آپ کے چرچے ہو رہے ہیں۔ ملک کی دعائیں اب درگاہِ قادر میں بس یہی ہونی چاہیئں کہ جہاں بھی کہیں سبھاش بابو ہوں ملن کی محبت آپ کے دل میں روز افزوں بڑھتی رہے تاکہ ایک بار

پھر مصیبت زدہ غلاموں کے اس ملک کو آپ کی رہنمائی کا فخر حاصل ہو سکے۔

ہری پور کانگرس کے صدر

مسٹر سبھاش چندر بوس

کا

خطبۂ صدارت

وٹھل نگر ۱۵ فروری۔ شری یت سبھاش چندر بوس نے انڈین نیشنل کانگرس کے ۵۱ ویں اجلاس میں مندرجہ ذیل صدارتی تقریر فرمائی:۔

مسٹر چیئرمین اور دوستو!

انڈین نیشنل کانگرس کے اس اجلاس کا صدر منتخب کر کے آپ نے جو میری عزت افزائی کی ہے اس کا مجھے گہرا احساس ہے۔ میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال

کرنے کو تیار نہیں کہ میں کسی طرح سے اس بھاری عزت کا مستحق ہوں۔
میں اسے آپ اور اپنے وطن کے نوجوانوں کو ایک خراج عقیدت سمجھتا ہوں
قومی جدوجہد میں نوجوانوں نے جو شاندار حصہ لیا ہے اسکے بغیر آج ہم ترقی کے
اس بلند معراج پر نہ پہنچے ہوتے۔ جہاں ہم ہیں اس پلیٹ فارم پر جس پر مادر وطن
کے ذیشان سپوت اور سپتریوں کی شان کو دوبالا کرتی رہی ہیں مجھے کھڑا ہوتے
ہوئے ڈر لگتا ہے اس لئے کہ میں اپنی بے شمار خامیوں سے واقف ہوں۔
میں یہ امید کر سکتا ہوں اور پرارتھنا کرتا ہوں کہ آپ کی ہمدردی اور حمایت
سے میں اپنے آپ کو اس اعزاز کے لئے جو آپ نے مجھے بخشا ہے شاید کسی قابل
اپنے آپ کو ثابت کر سکوں۔

شروع میں شریمتی سروپ رانی نہرو، جگدیش چندر بوس اور ڈاکٹر سرت چندرا
چٹرجی کی موت پر گہرے رنج کا اظہار کرنے میں آپ کے جذبات کی ترجمانی کرتا
ہوں شریمتی سروپ رانی نہرو نہ صرف سورگیہ پنڈت موتی لال نہرو کی دھرم پتنی
ہی تھیں بلکہ وہ پنڈت جواہر لال نہرو کی قابل تعظیم ماتا بھی تھیں۔ آزادی ہند کیلئے
ان کی مصائب انگیزیاں۔ قربانیاں اور جذبات ایسے ہیں جن پر ہر شخص بجا طور پر ناز
کر سکتا ہے ہمیں ان کی خدمت کا گہرا رنج ہے اور پنڈت جواہر لعل نہرو اور ان کے خاندان
کے دیگر ممبروں سے اس صدمہ میں گہری ہمدردی ہے۔ سر جگدیش چندر بوس پہلے
ہندوستانی تھے۔ جنہوں نے سائنس کی موجودہ دنیا میں نام روشن کیا۔ وہ بڑے قوم
پرست تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی نہ صرف سائنس کی ہی بلکہ بھارت ورش کی بہبودی کی
ترقی میں صرف کی۔ ڈاکٹر سرت چٹرجی کی موت سے ہندوستان [illegible]

ایک درخشاں ستارہ کھو یا گیا ہے۔ ان کی موت سے بنگال میں کانگرس کو زبردست دھکہ لگا ہے۔ ہمیں ان کے خاندان سے گہری ہمدردی ہے۔

شہیدوں کی یاد پیشتر اس کے کہ میں آگے چلوں۔ میں ان شہیدوں کو خراج عقیدت ادا کرنا چاہتا ہوں۔ جنہوں نے فیض پور کانگرس کے بعد ملک کی خدمت میں اپنی جانیں قربان کردیں۔ اس سلسلہ میں ان کا خاص ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جو جیل یا نظر بندی میں یا رہائی کے فوراً بعد سورگباش ہو گئے ہیں شری یت ہر بند منشی کا جو ڈھاکہ سنٹرل جیل میں سیاسی قیدی تھے اور جنہوں نے اگلے دن بھوک ہڑتال کر کے جان دیدی خاص طور پر ذکر کرتا ہوں۔ میں ابھی اسقدر غمزدہ ہوں کہ اس موضوع پر کچھ زیادہ نہیں کہنا چاہتا۔ اگر چیتن داس سردار مہابیر سنگھ رام کرشن ہرنام داس موت۔ موہن بترا۔ ہربند منشی اور ایسے دیگر ہونہار نوجوان اپنی عزیز جانوں کا خاتمہ کر دیں تو یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ کوئی بات ضرور ہے جس سے وہ مجبور ہو کر اپنی جانیں قربان کر گئے جب ہم تاریخ دنیا پر سرسری نظر ڈالتے ہیں تو ہم سے پہلی بات شہنشاہوں کا عروج وزوال نظر آتا ہے۔ مشرق ہو یا مغرب سلطنتوں نے عروج حاصل کیا لیکن پھر وہ گمنام ہو گئیں۔ اور بعض اوقات انکا نام ونشان مٹ گیا۔ قدیم زمانہ کی سلطنت روما اور موجودہ زمانہ میں شری اور ہنگری کی سلطنتیں عروج وزوال کے اس قانون کی عبرتناک مثالیں ہیں۔ ورکیوں جائیں ہندوستان کی موریا۔ گپتا اور مغل سلطنتیں اس قانون سے مستثنیٰ نہیں رہیں۔ تاریخ کے ان واقعات کو پیش نظر کیا کوئی انسان جرات کر سکتا ہے کہ کوئی سلطنت اس دستبرد سے بچ سکے گی۔ یا تو اسکا بھی وہی حال ہو گا یا اسے بھی اپنے آپ کو آزاد اقوام

کی فیڈریشن میں تبدیل کرانا ہوگا۔ اسکے لئے دونو راہیں کھلی ہیں۔ زار کی سلطنت ۱۹۱۷ء میں ختم ہوگئی۔ مگر اس کے کھنڈروں پر سوشلسٹ ریپبلک قائم ہوگئی۔ ہر سلطنت کو چاہیئے کہ تاریخ کے واقعات سے سبق لے۔

عجیب مرکب

برطانوی سلطنت آزاد ممالک جزدی طور پر آزاد محکوم ان بستیوں کا جن میں مطلق العنان حکومت ہے عجیب مرکب ہے۔ آئینی طریقے اور انسانی دماغ کچھ عرصہ تک اس مرکب کو قائم رکھ سکے مگر ہمیشہ کے لئے ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر اندرونی تضاد دقت پر زور نہ بھی کیا جائے تو بیرونی دباؤ ہو یا نہ ہو سلطنت یقینی طور پر اپنے شیرازہ کو قائم نہیں رکھ سکتی لیکن سوال یہ ہے کہ کیا برطانوی سلطنت ایک ہی دلیرانہ قدم اٹھا کر اپنے آپ کو آزاد فیڈریشن میں منتقل کرنے کو تیار ہے۔ اس سوال کا جواب برطانوی لوگوں کو دینا ہوگا۔ ایک بات یقینی ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ تبدیلی اس صورت میں ممکن ہوسکتی ہے جبکہ برطانیہ کے لوگ اپنے گھر میں آزاد ہوں یعنی برطانیہ ایک سوشلسٹ سٹیٹ ہوجائے۔ برطانیہ کی سرمایہ دار حکمران جماعتوں اور بستیوں میں ایک ایسا رشتہ ہے۔ جو ٹوٹ نہیں سکتا عرصہ ہوا انہوں نے کہا تھا کہ بہت سی اقوام کی غلامی نے برطانیہ کی رجعت پسندی کو مضبوط کردیا ہے اور اسے تقویت پہنچادی ہے۔ برطانیہ کے متمول اشخاص کی ہستی اس جہہ سے قائم ہے کہ وہ بستیوں اور سمندر پار کے ماتحت علاقوں کا فائدہ اٹھارہے ہیں۔

موخر الذکر کی آزادی بلا شبہ برطانیہ کی سرمایہ پرست حکمران جماعتوں کے لئے ضرب کاری ثابت ہوگی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ملک میں جلد ہی سوشلسٹ

نظام قائم ہو جائے گا۔ اس لئے یہ امر صاف ظاہر ہے کہ جبتک لیسیتوں کو آزادی حاصل نہیں ہوتی۔ برطانیہ میں سوشلسٹ نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ اور ہم جو ہندوستان کی سیاسی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں برطانوی سلطنت کے دیگر محکوم ممالک اور برطانوی قوم کی اقتصادی غلامی کے خلاف بھی جدوجہد کر رہے ہیں "پھاڑو اور حکومت کرو"۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر ایک سلطنت کی بنیاد "پھاڑو اور حکومت کرو" کی پالیسی پر ہوتی ہے مگر جس طرح برطانیہ نے ہوشیاری اور قاعدگی سے اس پالیسی پر عمل کیا ہے۔ شاید ہی دنیا کی کسی اور سلطنت نے کیا ہو۔ اس پالیسی کے پیش نظر آئرش قوم کو اختیارات دینے سے پہلے السٹر کو باقی آئرلینڈ سے الگ کر دیا گیا۔ اسی طرح اہل فلسطین کو آزادی دینے سے پہلے عربوں کو یہود سے الگ کر دیا جائیگا۔ طاقت کے اشتعال کے اثر کو زائل کرنے کیلئے اندرونی تقسیم ضروری ہے تقسیم کا یہ اصول ہندوستان کیلئے آئین میں ایک اور شکل میں نمایاں ہے۔ یہاں مختلف فرقوں کو علیحدہ کرنے کی کوشش کیگئی ہے۔ فیڈرل سکیم میں مطلق العنان والیان ریاست برطانوی ہند کے جمہوری طریقے سے منتخب نمایندوں کو اکٹھا رکھا گیا ہے۔ خواہ برطانوی ہند کیطرف سے مخالفت کیوجہ سے یا والیان ریاست کی فیڈریشن میں شرکت سے انکار کیوجہ سے یہ نیا کانسٹی ٹیوشن ٹھہر ایا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ برطانیہ کے ہوشیار مدبر ہندوستان کی تقسیم کیلئے کوئی اور آئینی چال چل سکتے ہیں [illegible] حضرت ہندوستانیوں کو جو اختیارات ملینگے انہیں زائل کرنیکی کوشش کر سکتے [illegible] سے پہلے یہ جو کانسٹی ٹیوشن آئے اسکی نہایت احتیاط [illegible] جائے۔

"پھاڑو اور حکومت کرو" کی پالیسی کے بظاہر فائدے ہوں مگر ایسے کسی حکمران طاقت کے لئے نعمت غیر مترقبہ نہیں کہا جا سکتا حقیقت یہ ہے کہ اس سے نئی نئی پریشانیاں اور کئی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ اس اپنی پالیسی سے پیدا شدہ سیاسی کشمکش کے جال میں پھنس گیا ہے۔ اسکے سامنے یہ سوال ہے کہ کیا وہ ہندوؤں کو خوش کرے یا مسلمانوں کو فلسطین میں عربوں کی حمایت کرے یا یہودیوں کی۔ اور عراق میں عربوں یا کردوں کی۔ کیا وہ شاہ مصر کی حمایت کرے یا وفد پارٹی کی سلطنت کے باہر بھی اسے یہی پیچیدگی نظر آ رہی ہے۔

یورپین پالٹیکس

سپین کی حالت میں کئی برطانوی سیاستدانوں فرانکو کی حمایت میں ہیں کئی مملکتی قانون حکومت کی حمایت میں کئی فرانس کی حکومت پر اور کئی جرمنی کی چونکہ برطانیہ کی غیر ملکی پالیسی میں تضاد ہے اسلئے اس کی سلطنت کے مختلف حصوں میں تضاد ہے۔ انڈیا اور.... خارجہ کو خوش کرتا ہے کیونکہ وہ مشرق بعید میں اور ہندوستان میں اپنے وقار کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ برطانیہ کی کیبنٹ یہودیوں کو خوش کرنے کی کوشش میں ہے۔ کیونکہ وہ بڑے سرمایہ دار ہیں۔ برطانیہ اس قسم کے تضاد سے صرف اسی صورت میں چھٹکارا پا سکتا ہے جبکہ وہ اپنی سلطنت کو آزاد اقوام کی فیڈریشن میں تبدیل کر دے۔ اگر وہ ایسا کرے تو تاریخ میں ایک معجزہ کر دکھائیگا۔ اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہے تو اسکے لئے مشکل پیدا ہو جائیگی۔

بحری اور ہوائی طاقت

ایک زمانہ تھا کہ سمندروں میں برطانیہ کا راج تھا۔ اٹھارویں اور انیس ویں صدی میں اس کے غیر معمولی عروج کی وجہ سمندری طاقت تھی۔ بیسویں صدی میں بطور ایک سلطنت کے اس کے عروج کا باعث صرف ہوائی طاقت ہو سکتی ہے۔ اس ہوائی طاقت کے بل پر ہی آج اٹلی بحیرہ روم میں برطانیہ کو چیلنج دے رہا ہے۔ ہوائی حملوں سے بچنے کی تدابیر کے باوجود لندن (ہوائی طاقت کو بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے) قصہ کوتاہ ہوائی طاقت نے موجودہ جنگ وجدل کے طریقوں میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ اس نے دنیا کے پالٹیکس کی طاقت کے توازن کو درہم برہم کر دیا ہے۔

ہندوستان کی حفاظت

دنیا کی ان مختلف طاقتوں کی کشمکش میں ہندوستانی پہلے کی نسبت زیادہ طاقت حاصل کر رہے ہیں۔ ہمارا ایک وسیع ملک ہے جس کی آبادی ۳۵ کروڑ ہے۔ اگرچہ امپیریلزم کے مقابلہ کے لئے متحدہ محاذ پیش کریں تو اس سے ہماری طاقت کہیں زیادہ ہو جائے۔ ہندوستان کے اتحاد کے پیش نظر سب سے پہلی بات جو یاد رکھنے کے قابل ہے کہ برطانوی ہندوستان اور ریاستوں کی تقسیم محض مصنوعی ہے۔ ہندوستان ایک ہے اور برطانوی ہند اور ریاستوں کے لوگوں کے امیدیں اور خواہشات ایک ہیں۔ ہمارا منتہائے مقصود آزاد ہندوستان ہے۔ اور میرے خیال میں یہ وہ منتہائے مقصود اس فیڈرل جمہوریت کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس میں صوبے اور ریاستیں برضا و رغبت شریک ہیں۔ ان ریاستوں میں جمہوری طرز حکومت کی قائمی کے لئے ریاستی پرجا کی تحریک کو کانگرس کی ہمیشہ ہمدردی اور اخلاقی حمایت حاصل رہی ہے

ممکن ہے کہ ہم اس وقت اتنے مصروف ہوں کہ ریاستوں کی پرجا کیلئے کچھ زیادہ کام نہ کر سکیں لیکن اسوقت کسی کانگرسی کو انفرادی حیثیت میں ریاستی پرجا کی جدوجہد میں حصہ لینے کی ممانعت نہیں۔ کانگرس میں میرے جیسے کئی آدمی ہونگے۔ جو یہ چاہتے ہیں کہ کانگرسی ریاستی پرجا کی تحریک میں زیادہ سرگرمی سے حصہ لے ہمیں یہ نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے کہ ریاستوں کے لوگوں کو ہماری ہمدردی اور امداد کی ضرورت ہے۔

اقلیتوں کا مسئلہ

ہندوستان کے اتحاد کے سلسلہ میں اقلیتوں کا مسئلہ نہایت ضروری ہے کانگرس نے کئی بار اس سوال پر اپنی پالیسی کا اعلان کیا ہے۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے اکتوبر ۱۹۳۷ء کے اجلاس میں اس کے متعلق مندرجہ ذیل تازہ ترین مستند اعلان جاری کیا۔

کانگرس ہندوستان کی اقلیتوں کے حقوق کے متعلق کئی بار اعلان کر چکی ہے اور یہ واضح کر چکی ہے کہ ان حقوق کی حفاظت کرنا اس کا فرض ہے کانگرس قوم کی سیاسی اقتصادی اور تمدنی زندگی میں ان اقلیتوں کو مکمل ترین حصہ لینے اور انہیں ترقی کرنے کے تمام موقعے دینے کو تیار ہے۔ کانگرس کا منتہائے مقصود آزاد اور متحدہ ہندوستان ہے جسمیں کوئی جماعت یا گروہ یا اکثریت یا اقلیت اپنے فائدہ کے لئے کسی دوسرے کے مفاد کو قربان نہ کر سکے اور جہاں قوم کے تمام عناصر لوگوں کی مشترکہ بہبودی اور ترقی کے لئے باہمی تعاون کریں۔

بنیادی حقوق

چونکہ اس سلسلہ میں کانگرس کی پالیسی کے متعلق غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لئے آل انڈیا کانگرس کمیٹی اس پالیسی کا اعادہ کرتی ہے۔ کہ کانگرس نے بنیادی حقوق کے متعلق اپنے ریزولیوشنوں میں درج کیا ہے۔

(۱) رائے کی آزادی اور آزادانہ میل جول کا حق شہری پر۔ اسکے مذہب ذات عقیدہ

(۲) یا جنس کیوجہ سے کوئی پابندی نہیں۔ نہ ہی کوئی تجارت یا کوئی اور پیشہ اختیار کرنے میں ہی کوئی پابندی ہو۔

(۳) کنوؤں۔ تالابوں۔ سڑکوں۔ سکولوں اور دیگر پبلک جگہوں کے متعلق جو سرکاری خرچ یا لوکل فنڈ قائم ہیں یا پرائیوٹ اشخاص سے رفاہ عام کے لئے وقف کر رکھی ہے سب کے حقوق اور فرائض مساوی ہیں۔

(۴) سٹیٹ تمام مذہب کے متعلق غیر جانبداری کی پالیسی پر عمل کرے گی۔

(۵) بالغوں کو رائے حق وہی حاصل ہوگا۔

(۶) ہر ایک شہری کو ہندوستان کے کسی حصہ میں جائے وہاں آباد ہونا۔ جائداد حاصل کرنے اور کوئی تجارت کرنے یا کاروبار کرنے کی آزادی ہوگی۔ اور ہندوستان کے ساتھ قانون کی رو سے مساوی سلوک کیا جائے گا۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کانگرس جہانتک ہر مذہب یا تمدن کا تعلق ہے کوئی مداخلت نہیں کرنا چاہتی۔ کسی اقلیت کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ اسے شخصی قانون کو اکثریت کیطرف سے کسی قسم کی تبدیلی کرنے کے بعد قائم رکھے۔ رائے کی آزادی اور آزادانہ میل جول کا حق اور پُرامن طور پر اور بغیر اسلحہ کے اکٹھا ہونے کا حق ہندوستان کے ہر ایک شہری کو حاصل ہو۔ بشرطیکہ کسی ایسے مقصد کیلئے

کوئی احتجاج نہ کیا جائے۔ جو قانون یا اخلاق کے منافی ہو۔

(۷) ہر ایک شہری کو ضمیر کی آزادی حاصل ہوگی اور اسے اپنے مذہب پر آزادی سے عمل کرنے اور اس کے پرچار کرنے کا حق حاصل ہے بشرطیکہ پبلک نظام اور اخلاق کے منافی کوئی حرکت نہ ہو۔

اقلیتوں کے تمدن

زبان اور ان کے رسم الخط کی حفاظت کی جائے گی ۔ قانون کی نظروں میں تمام شہری بلا امتیاز مذہب، عقیدہ۔ ذات مساوی ہیں

فرقہ وارانہ فیصلہ

کمیونل ایوارڈ کے متعلق کانگرس نے ریزولیوشن اور پچھلے سال انتخابی مینی فیسٹو میں اپنی پوزیشن کو واضح کر چکی ہے کانگرس اس فیصلہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ خلاف قومیت اور خلاف جمہوریت ہے یہ ہندوستان کی آزادی اور اسکے اتحاد کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ لیکن کانگرس اعلان کر چکی ہے۔ کہ اصلی فرقہ وارانہ فیصلہ میں تبدیلی یا اس کی منسوخی متعلق پارٹیوں کے باہمی تصفیہ ہی سے کیجائے۔ کانگرس باہمی تصفیہ سے ایسی تبدیلی کرنے کے لئے ہر ایک موقعہ کا فائدہ اٹھانے کو تیار ہے۔ اور وہ ہمیشہ اس کا خیر مقدم کرتی ہے۔

اقلیتوں کا تعاون

کانگرس کی یہ خواہش ہے کہ اقلیتوں کے متعلق تمام معاملات میں ان کا تعاون حاصل کیا جائے۔ اور تمام مشترکہ معاملات اور مشترکہ منتہائے مقصود کے جو ہندوستان کے تمام لوگوں کو آزادی اور بہبودی ہے۔ حصول میں ان کا خلوص دل

حاصل کیا جائے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس مسئلہ کے حل کیلئے کوشش شروع کریں مجھے یقین ہے کہ جب میں یہ کہتا ہوں کہ ہماری یہ زبردست خواہش ہے کہ کوئی ایسا متفقہ حل نکل آئے جو قوم پرستی کے بنیادی اصولوں کے مطابق ہو تو میں کانگرسیوں کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہوں میں اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتا کہ کس بنا پر حل ڈھونڈھا جائے۔ پچھلی کانفرنسوں اور بات چیت میں کافی ہو چکا ہے۔ میں صرف یہی کہونگا کہ صرف مشترکہ اقتصادی اور سیاسی مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم فرقہ دارانہ تقسیم اور تفرقات کو دور کر سکتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہم مذہبی معاملات میں رواداری سے کام لیں اور سیاسی اور اقتصادی معاملات میں ملکر کام کریں اگرچہ ہم اقلیتوں کا مسئلہ کا خیال کرتے ہیں تو مسلم مسئلہ اہم دکھائی دیتا ہے مگر کانگریس کی یہ زبردست خواہش ہے کہ دوسری اقلیتوں کے ساتھ بھی ویسا ہی انصاف کیا جائے مگر خاصکر نام نہاد دلت سے کہ کانگرس تمام ہندوستانیوں کے سیاسی اور اقتصادی حقوق کی علمبردار ہے اگر وہ اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہوگئی تو اقلیتوں کو ویسا ہی فائدہ ہوگا جیسا کہ ہندوستانیوں کے کسی اور حلقہ کو مزید براں اگر سیاسی اختیارات حاصل کرنے کے بعد قوم کو از سر نو تعمیر سوشلسٹ پر ہوا (مجھے یقین ہے کہ اسی طرح پر ہوگی) تو اس سے ہندوستانی عوام کو فائدہ پہونچے گا۔

مذہب کا سوال

اب صرف ایک سوال رہتا ہے جو اقلیتوں کے لئے تشویش کا موجب ہو سکتا ہے۔ یعنی مذہب اور مذہب مبنی تمدن۔ اس سوال پر کانگرس کی پالیسی مکمل

عدم مداخلت کی پالیسی ہے۔ اگر ہندوستان کو آزادی حاصل ہو جائے تو مسلمانوں کے لئے تشویش کا کوئی موقع نہیں برخلاف اس کے انہیں ہر طرح فائدہ ہوگا۔ جہاں تک نام نہاد دوستوں پر مذہبی اور مجلسی پابندیوں کا تعلق ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کانگرس نے پچھلے ۱۱ سال میں ان پابندیوں کو دور کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا اور مجھے یقین ہے کہ وہ دن دور نہیں جبکہ یہ پابندیاں ہمیشہ کے لئے دور ہو جائیں گی۔

قومی جدوجہد

اب میں اس طریق کو واضح کرنا چاہتا ہوں۔ جسے کانگرس کو آیندہ برسوں میں اور قومی جدوجہد میں اختیار کرنا چاہئے۔ پہلے کی نسبت میرا شواس زیادہ ہو گیا ہے کہ وہ طریق کار وسیع معنوں میں ستیہ آگرہ کے یعنی عدم تشدد آمیز عدم تعاون ہے۔ (........................)

دو طریقے

اپنی آزادی کی جدوجہد میں ہم دو طریقے اختیار کرتے ہیں ایک تو یہ کہ جب تک آزادی حاصل نہیں ہوتی ہم آزادی کی جنگ جاری رکھیں اور اس درمیانی عرصہ میں جو طاقت حاصل کریں اسے استعمال میں نہ لائیں اور دوسرے یہ کہ پورن سوراجیہ کیلئے ہم اپنی طاقت کو مجتمع کرتے جائیں۔ جہاں تک اصول کا تعلق ہے دونوں طریقے اپنی اپنی جگہ اچھے ہیں اور اس لئے دونوں قابل قبول ہیں۔

لیکن ہر ایک مرحلہ پر غور کر لینا چاہیئے کہ ان دونوں طریقوں میں سے کونسا طریقہ اختیار کرنے سے ہم اپنی سیاسی ترقی کو آگے لیجائیں گے۔ طریق کار خواہ کچھ ہو۔ مگر ہماری سیاسی ترقی کا آخری مرحلہ یہ ہوگا۔ ....

مگر اس کے متعلق ابھی سے کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ اس کا انحصار زیادہ تر برطانیہ کے لوگوں پر ہوگا۔ برطانیہ کے ساتھ تعلقات قائم رکھنے کے متعلق مجھے پریذیڈنٹ ڈی ویلرا کے مناظر بار بار یاد آتے ہیں۔ آئرلینڈ کے پریذیڈنٹ کی طرح میں بھی کہونگا کہ ہمیں برطانوی لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں ہم تو برطانیہ سے غلطی سے لڑ رہے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ برطانیہ غلطی کے ساتھ اپنے تعلقات قائم رکھنے یا نہ رکھنے کے متعلق ہمیں پوری آزادی حاصل ہونی چاہیئے۔

لیکن اس سلسلہ میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب ایک دفعہ ہمیں آتم نرنے کا حق حاصل ہو جائے گا۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم برطانیہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم نہ کریں۔

کانگریس کے متعلق غلط فہمی

بہت کانگرسی دوستوں کے دلوں میں کانگرس کے متعلق غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ کچھ اصحاب خیال کرتے ہیں کہ جب کانگرس کا منتہائے مقصود (آزادی) حاصل ہو جائے گا۔ تو کانگرس پارٹی ٹوٹ جائے گی۔ مگر یہ صحیح نہیں جو پارٹی ہندوستان کے لئے آزادی حاصل کرے گی

وہی پارٹی جنگ کے بعد ملک کے تعمیری پروگرام کی تکمیل کا بار بھی اپنے کندھوں پر اٹھائے گی۔ جو شخص طاقت حاصل کرتے ہیں۔ وہی اس طاقت کو بخوبی استعمال کرنا جانتے ہیں۔ یہی بات صوبائی خودمختاری کے تنگ اور محدود دائرے میں کانگرس اور غیر کانگرس حکومتوں کی شکل میں نظر آرہی ہے۔ جب سیاسی آزادی حاصل ہو جائے گی۔ تو کانگرس پارٹی کے ختم ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ برعکس کانگرس حاصل کی ہوئی طاقت کو ہاتھ میں لیگی۔ ملک کے نظم ونسق کی ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر اٹھائے گی اور دیش میں تعمیری پروگرام کی طرف متوجہ ہو گی۔ اس وقت ہی وہ اپنے فرائض سے عہدہ برآ سمجھی جائے گی۔

جنگ یورپ کے بعد اگر دنیا کے مختلف ممالک کی رفتار ترقی پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ صرف وہی ممالک ترقی کی صحیح راہ پر چل رہے ہیں جنمیں وہی پارٹیاں برسر اقتدار ہیں جنہوں نے طاقت حاصل کی تھی۔ اس معاملہ پر بعض اصحاب کیطرف سے یہ اعتراض اٹھایا جائے گا کہ جو پارٹی طاقت حاصل کرتی ہے اگر وہی طاقت کو استعمال کرے تو گورنمنٹ اس پارٹی کی اجارہ داری یا ڈکٹیٹرشپ بنجائیگی۔ مگر امر واقعہ یہ نہیں بلکہ ڈکٹیٹرشپ تو ملک میں قائم ہوتی ہے جنمیں صرف ایک پارٹی ہو اور وہ پارٹی ہی ہمیشہ برسر اقتدار چلی آئے۔ دوسری پارٹی طاقت حاصل کرنے کیلئے موجود ہی نہ ہو جیساکہ روس۔ اٹلی۔ اور جرمنی کے اندر دیکھنے میں آرہا ہے۔ ہندوستان میں ایسا نہیں ہے۔

کانگرس پارٹی کے علاوہ دیگر پارٹیاں عالم وجود میں آچکی ہیں۔ ...

کوئی وجہ نہیں۔ کہ ان پارٹیوں پر پابندی عاید کیجائے اور پھر چونکہ کانگرس پارٹی کی بنیاد جمہوریت پر ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ یہاں ڈکٹیٹرشپ قائم ہو۔ ڈکٹیٹرشپ تو ان ممالک میں قائم ہونے کا خدشہ ہوتا ہے جن میں پارٹیوں کے قیام کا انحصار لیڈروں پر ہوتا ہے جیساکہ جرمنی میں نازی پارٹی کی ہستی و نیستی کا انحصار ہی ہٹلر پر ہے۔ جمہوری پارٹیوں میں لیڈر نچلے طبقے سے شروع ہوتے ہیں۔ لیڈر منتخب نہیں کئے جاتے ہیں۔ مگر دوسری صورت میں لیڈر کے دم قدم سے پارٹی کی ہست و بود کا تعلق ہوتا ہے۔

ہمارا پروگرام

گو اس وقت بالتفصیل یہ بتانا کہ آزادی حاصل کرنے کے بعد مجلسی سدھار اور قومی تعمیر کے سلسلے میں ہمارا پروگرام کیا ہوگا کسی حد تک قبل از وقت ہے مگر چند ایک اصول کا ذکر کرنا جن کے ماتحت ہم اپنی مجلسی سدھار کرینگے بیجا نہ ہوگا مجھے اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں آتا۔ کہ ہمارے سب سے قومی مسائل یعنی مفلسی کا دور کرنا۔ جہالت اور بیماریوں کا انسداد وغیرہ کا مل سوشلسٹوں کی لائنوں پر ہوگا سب سے پہلی بات جو ہمیں کرنی ہوگی۔ یہ ہوگی وہ قومی سدھار کے متعلق جامع سکیم مرتب کرنے کیلئے ایک کمیشن قائم کرے۔ اس سکیم کے دو حصے ہوں گے۔ ایک فوری پروگرام۔ دوسرے لمبی میعاد کا پروگرام۔ سکیم کا پہلا حصہ مرتب کرنے کے لئے ہمیں تین امور کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا ہوگا۔

(۱) ملک کو اپنی حفاظت کے قابل بنانے کے لئے تیاری

(۲) ہندوستان کو متحد کرنا۔

(۳) مقامی اور تمدنی خود مختاری کے لئے میدان پیدا کرنا۔
اس پروگرام کی دوسری اور تیسری بار ایک دوسرے کے متضاد نظر آئے گی
مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ ہمیں ملک کو متحد کرنا ہوگا۔ تاکہ ہم غیر ملکی حملوں سے
اپنی حفاظت کرسکیں۔ ایک زبردست مرکزی حکومت کے قیام سے جہاں ہم اپنے
ملک کو اپنی حفاظت آپ کرنے کے قابل بنائیں گے وہاں مختلف اقلیتوں اور
مختلف صوبوں کو مقامی و تمدنی نیز انتظامی معاملات میں بہت حد تک خود
مختاری دے دینگے۔ تاکہ وہ اپنے دائرے میں ترقی کرسکیں جب غیر ملکی طاقت کا سایہ
ہم پر سے اٹھ جائیگا تو ہندوستانیوں کو یکجا رکھنے کیلئے ہمیں بہت کوشش کرنے
کی ضرورت محسوس ہوگی۔ کیونکہ اتنا عرصہ غیر ملکی حکومت ہونیکے باعث ہندوستانیوں
کی ذہنیت کچھ اس قسم کی بن چکی ہے۔ کہ جونہی ان کے ۔ ۔ ۔ ۔ وہ آپس میں
لڑنا شروع کر دیتے ہیں۔

قومی زبان اور دیگر ذرائع

قومی اتحاد کی خاطر ہمیں اپنے قومی زبان کی نشوونما کرنی ہوگی اور اس کے
لئے ایسا رسم الخط رائج کرنا ہوگا۔ جو سب کے لئے مشترکہ ہو۔ اسکے لئے جدید
ایجادات سائنس مثلاً ہوائی جہازوں ریڈیو۔ فلموں وغیرہ کے ذریعہ ہمیں ملک کے
مختلف حصوں اور لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کرنی پڑے گی
ایک مشترکہ تعلیمی پالیسی کے ذریعہ ہمیں تمام لوگوں میں جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔ جہاں
تک ہماری قومی زبان کا تعلق ہے میری خیال میں تو ہندی اور اردو میں جو فرق ہے
مصنوعی ہے ہماری قومی زبان ان دونوں زبانوں کی ملاوٹ سے پیدا ہوگی۔

جو عام ہندوستانیوں میں بولی جائے گی اور دونوں اردو ناگری میں لکھی جائیگی مجھے معلوم ہے کہ بعض لوگ ان دونو رسم الحروف میں سے ایک کی حمایت اور دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں۔ مگر ہماری پالیسی یہ نہیں ہونی چاہئے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم ان دونو رسم الخط کے استعمال کی کھلی اجازت دے دیں۔ جو جسم رسم الخط کو اپنانا چاہے اپنالے۔ اس کے ساتھ ہی میری اپنی رائے ہے کہ ہمیں آخر کار ایک ایسے رسم الخط کو رواج دینا ہوگا جس سے ہم باقی دنیا کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوسکیں اور یہی ہماری قومی زبان اور مشترکہ رسم الخط کا واحد حل ہوگا۔
بعض لوگ لاطینی رسم الخط کو رواج دینے کے خیال سے ہی کانوں پر ہاتھ رکھیں گے مگر میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ اس معاملے میں تاریخی اور سائنٹفک نقطہ نگاہ سے غور کریں۔ جب ہم ایسا کریں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ رسم الخط کا معاملہ بالکل معمولی ہے اور کسی غیر معمولی رسم الخط کو اپنا بنانے سے ملک میں مروجہ رسم الخط کی توہین نہیں ہوتی۔ ناگری رسم الخط جیسا کہ ہم جانتے ہیں ارتقا کے بہت سے مراحل طے کرچکا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف صوبوں میں مختلف رسم الخط رائج ہیں۔ جو ہندوستان میں اردو بولنے والے لوگ (چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان) کثیر تعداد میں استعمال کرتے ہیں۔
[illegible] پنجاب اور سندھ کے صوبوں میں تو اردو رسم الخط بہت زیادہ رائج ہے [illegible] کے تضاد کی موجودگی کے پیش نظر ہندوستان بھر کے [illegible] بالکل سائنٹفک اور غیر جانبدارانہ جذبہ کے ماتحت [illegible] جانا چاہیئے:
[illegible] میں تسلیم کرتا ہوں۔

نہ کبھی وقت میں بھی یہ سمجھا جاتا تھا کہ کسی غیر ملکی رسم الخط کو رواج دینا قومیت کے منافی ہوگا۔ مگر جون ۱۹۳۲ء میں میں نے کی گیا۔ تو رسم الخط کے سلسلے میں میرے خیالات بھی تبدیل ہو گئے۔ اس وقت پہلی بار مجھے اس امر کا احساس ہوا کہ باقی رسم الخط کی طرح اگر ہمارا رسم الخط بھی ہو۔ تو اس میں کس قدر فائدہ ہو جہاں عوام کا تعلق ہے۔ چونکہ وہ نوے فیصدی ان پڑھ ہیں۔ اور ان کو بھی رسم الخط سے واقفیت نہیں۔ اس لئے جب انہیں تعلیم دینے کا سوال پیش آئے گا۔ تو ان کو جس بھی رسم الخط میں تعلیم دی جائے گی۔ اس کا کوئی زیادہ فرق نہیں پڑے گا لاطینی رسم الخط کو رواج دینے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا۔ کہ ان کو یورپین زبانیں لکھنے میں بھی آسانی ہو جائے گی۔ میں جانتا ہوں کہ شروع شروع میں لاطینی رسم الخط کو رائج کرنے پر ہندوستانی زبردست ناراضگی کا اظہار کریں گے۔ مگر میں اپنے ہموطنوں سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ اس معاملہ پر ذرا غور کریں اور سوچیں کہ رسم الخط کے سوال کا اس سے بہتر حل کون سا ہو سکتا ہے۔

طویل المیعاد پروگرام

جہاں تک آزاد ہندوستان کے لئے طویل المیعاد پروگرام کا تعلق ہے اس میں سب سے پہلے مسئلہ ہندوستان کی بڑھتی ہوئی آبادی کا سوال ہے۔ میں اس مسئلہ کے تھیوریٹکل پہلو پر بحث کرنا نہیں چاہتا۔ کہ آیا ہندوستان کی آبادی جہاں تک تھیوری کا تعلق ہے۔ فی الواقعہ زیادہ ہے۔ میں صرف یہاں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ جس ملک میں مفلسی۔ فاقہ مستی اور بیماریوں نے اپنا گھر بنا رکھا ہے۔ وہاں دس سال کے عرصہ میں تین کروڑ کی آبادی کا اضافہ ناقابل برداشت ہے۔ اگر ہندوستان

کی آبادی اسی طرح بڑھتی رہی۔ جس طرح کہ یہ ابھی بڑھ رہی ہے تو ہماری تمام سکیمیں ناکام رہیں گی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ جب تک ہم ان لوگوں کے لئے جو اس وقت ہندوستان میں موجود ہیں۔ روٹی کپڑے کا انتظام نہ کریں۔ اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کی روک تھام کریں۔ میں اس وقت ان طریقوں پر بحث نہیں کروں گا۔ کہ جن سے ان بڑھتی ہوئی آبادی کو روکا جائے۔ مگر میں اس بات پر زور ضرور دوں گا۔ کہ اس سوال کی طرف پبلک کی توجہ مبذول کرائی جائے جہاں تک قومی تعمیر کا سوال ہے۔ ہمارے سامنے سب سے پہلے مسئلہ یہ ہو گا کہ ملک سے مفلسی کو کس طرح دور کیا جائے۔ اس کے لئے ہمیں زمینداری سسٹم میں بڑی بھاری تبدیلی کرنی پڑے گی۔ اور لینڈلارڈازم کو قطعی طور پر دور کرنا ہو گا۔

کسانوں اور کاشتکاروں کے قرضے منسوخ کرنے پڑیں گے۔ اور دیہاتی لوگوں کے لئے سستی شرح پر قرضوں کا انتظام کرنا پڑے گا۔ اجناس پیدا کرنے والوں اور ان کی کھپت کرنے والوں دونوں کے لئے کوآپریٹو تحریک کو توسیع دینے کی ضرورت پڑے گی۔ قابل کاشت اراضی کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے ہمیں زراعت کیلئے سائنٹفک طریقوں پر عمل کرنا ہو گا۔

اقتصادی ترقی

اقتصادی مسائل کو حل کرنے کے لئے صرف زراعت کی ترقی یا اصلاح ہی کافی نہ ہو گی۔ بلکہ بڑے وسیع پیمانے پر کارخانے وغیرہ کھول لینے کی ضرورت لاحق ہو گی۔ یہ کارخانے گورنمنٹ کی طرف سے ہوں گے۔ اور ان پر کنٹرول بھی گورنمنٹ کا ہو گا۔ صنعت و حرفت کی ترویج کے لئے ہم ایک نیا سسٹم ایجاد کرنا پڑے گا۔ پرانا سسٹم

غیر ملکی کثرت پیداوار اور ہندوستان میں غیر ملکی حکومت کی وجہ سے ناکارہ ہوچکا ہے۔ پلیننگ کمیشن کو یہ معلوم کرنا ہوگا۔ عصر حاضر کے بڑے بڑے کارخانوں کی موجودگی میں اور غیر ملکی مقابلے کے ہوتے ہوئے بھی کونسی صنعت ایسی ہے۔ جسے ہندوستان میں زندہ کیا جاسکتا ہے۔ ہم چاہے موجودہ انڈسٹرل ازم کو کس قدر ناپسند کریں اور کس قدر اس کی مذمت کریں۔ مگر اس کے باوجود ہم اس زمانے کی طرف نہیں جاسکتے۔ جب کہ عصر حاضر کی فیکٹریاں اور کارخانے نہیں تھے۔ اس لئے نہیں جہاں ان مقامات پر جہاں کارخانوں کا مقابلہ نہیں۔ گھریلو دستکاریوں کو زندہ کرنے اور ان کو وسیع پیمانے پر چلانے کی ضرورت پڑے گی۔ ہاں ہمیں ان کارخانوں سے بھی کام لینا پڑے گا۔ اور جس جس جگہ مناسب ہوگا کارخانے جاری کرنے پڑینگے پلیننگ کمیشن کے لئے ضروری ہوگا۔ کہ وہ ہندوستان کے لئے ایک ایسی جامع سکیم مرتب کرے۔ جس کی رُو ملک کا سارا زراعتی اور صنعتی نظام بتدریج سوشلسٹوں کے اصولوں پر آجائے۔

صوبائی خود مختاری

اب یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ نئے آئین کے اس حصے کی جس کا نام صوبائی خود مختاری ہے۔ مخالفت یا مزاحمت کی جائے۔ کیونکہ گیارہ میں سے مت صوبوں میں کانگرس نے وزارتیں مرتب کرلی ہیں۔ اب صرف یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ صوبائی خود مختاری اور اس کے ماتحت عہدے قبول کرنے کے حق میں نہ تھے۔ اس لئے نہیں کہ عہدے قبول کرنا بذات خود بُرا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ ایسا کرنے سے کسی قسم کی بھلائی کی امید نہیں تھی۔ لیکن چونکہ یہ خیال کیا گیا کہ عہدے قبول کرنے کے

بڑے اثرات کا ازالہ اس بات سے ہو جائے گا۔ کہ عہدے قبول کر کے کانگرس بہبودیٔ عام کا کام کرے گی۔ اس لئے اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرے خدشات بے بنیاد تھے
اب سوال یہ ہے کہ جب کانگرسی وزراء برسرِ اقتدار ہوں۔ ہم کس طرح اپنی طاقت کو مستحکم کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ بیوروکریسی کی ہیئت اور کیرکٹر کو بدل دیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو کانگرس پارٹی کو نقصان اٹھانا پڑے گا ہر ایک ملک میں وزراء برسرِ عہدہ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر مستقل ملازموں کا آئینی ڈھانچہ برقرار رہتا ہے۔ کہ کیبنٹ اور ان کی پارٹی غیر مؤثر ثابت ہوں اور اپنے اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کے اہل ثابت نہ ہو سکیں۔ جنگ یورپ کے بعد جرمنی میں بھی کچھ ظہور میں آیا ہے۔ اور غالباً ۱۹۲۴ء میں برطانیہ کی لیبر پارٹی کا بھی چرچا ہوا۔ یہی مستقل سروسز ہی ہوتی ہیں جو کسی ملک میں درحقیقت حکومت کرتی ہیں۔ ہندوستان میں سرپرست نقطۂ نگاہ اور ذہنیت نہ تو ہندوستانی ہے اور نہ ہی قوم پرستانہ۔ جب تک سرکاری ملازموں کا نقطۂ نگاہ اور ذہنیت قوم پرستانہ نہیں ہو جاتی۔ تب تک کوئی قوم پرستانہ پالیسی پر عملی جامہ اختیار نہیں کر سکتی لیکن مشکل یہ پڑتی ہے۔ کہ اعلیٰ سرکاری ملازم براہِ راست وزیرِ ہند کے ماتحت ہوں گے اس لئے ملازموں کی ہیئت تبدیل کرنا ممکن نہیں ہو گا۔

کانگرسی وزراء میں کیا کریں؟

دوسرے کانگرسی وزراء کو چاہیئے کہ جب تک وہ برسرِ اقتدار ہیں۔ تب تک وہ تعلیم صحتِ عامہ۔ امتناعِ منشیات۔ جیل خانہ جات کی اصلاح۔ ذرائعِ آبپاشی۔ انڈسٹری۔ لینڈ ریفارم اور مزدوروں کی بہتری وغیرہ کے لئے سکیمیں بنا

کریں۔ اوران کو عملی جامہ پہنائیں۔ اِس سلسلے میں جس قدر ہوسکے۔ہندوستان بھر کے لئے ایک یکساں پالیسی پر عمل کیا جائے۔اس کے دو طریقے ہیں۔ایک تو یہ کہ کانگرسی صوبوں کے وزرا ایک جگہ اکٹھے ہوں۔جیسا کہ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں لیبر وزراء کی کانفرنس کلکتہ میں ہوئی تھی۔اور ایک مشترکہ سکیم مرتب کریں۔یا کانگرس ورکنگ کمیٹی اپنے ماہرین کے مشورے پر اُن تمام صوبوں کے محکمہ جات متعلقہ کے نام ہدایات جاری کرے۔جن میں کانگرس برسرِ اقتدار رہے۔

کانگرس ورکنگ کمیٹی کے فرائض

اس موقعہ پر میں کانگرس ورکنگ کمیٹی کے فرائض کے متعلق بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔کانگرس ورکنگ کمیٹی محض ہدایات جاری کرنے والی باڈی ہی نہیں۔بلکہ یہ مستقبل کے آزاد ہندوستان کی کیبنٹ بھی ہے۔اس لئے اِسے اس طرح کام کرنا چاہیئے۔جس طرح کہ کسی ملک کی کیبنٹ کرتی ہے۔میں ان لوگوں میں سے ہوں۔جو اندرونی نظروں سے ہندوستان کو آزاد دیکھتے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ کانگرس ورکنگ کمیٹی اس طرح کام کرے جس طرح کہ کسی آزاد ملک کی کیبنٹ کرتی ہے۔یہی کچھ پریذیڈنٹ ڈی ویلرا کی ری پبلکن آرمی نے کیا تھا۔جب وہ اپنے ملک کی آزادی کے لئے لڑ رہی تھی۔اور یہی کچھ مصر کی وفد پارٹی نے برسرِ اقتدار آنے سے پیشتر کیا۔ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کو چاہیئے کہ جہاں وہ اپنے موجودہ فرائض کو سرانجام دیں۔وہاں ان فرائض کو بھی زیرِ مطالعہ رکھیں۔جو ان کو سیاسی طاقت حاصل ہونے پر ہاتھ میں لینے ہیں

فیڈرلیشن کی مخالفت

کانگریس گورنمنٹ کو چلانے سے زیادہ اہم کام یہ ہے۔ کہ فیڈریشن کے نفاذ کو کس طرح روکا جائے۔ ۴ر فروری ۱۹۳۸ء وارد ھا کانگریس کمیٹی نے جو ریزولیوشن پاس کیا۔ اس میں فیڈرلیشن کے متعلق کانگریس کے رویہ کی پوری پوری وضاحت کر دی گئی ہے۔ اس ریزولیوشن کی رُو سے کانگریس فیڈریشن کو مسترد کر دیا ہے۔ یہ ریزولیوشن سبجکٹس کمیٹی میں آنے کے بعد کانگریس کے کھلے اجلاس میں پیش کیا جائے گا۔ فیڈریشن کے متعلق کانگریس کے رویہ کی وضاحت کچھ تو کانگریس کے آفیشل ریزولیوشن میں پاس کر دی گئی ہے۔ اور چند ایک مزید دلیلیں دینا چاہتا ہوں۔ کہ ہم فیڈرلیشن کے خلاف کیوں ہیں۔ فیڈرل سکیم کا سب سے زیادہ قابلِ اعتراض حصہ یہ ہے کہ اس میں تجارتی اور رومانی تحفظات رکھدیے گئے ہیں۔ فیڈرل سکیم کے ماتحت نہ صرف یہ کہ لوگوں کا ڈیفنس (فوج) اور خارجہ پالیسی پر کوئی کنٹرول رہے گا۔ بلکہ اخراجات کے بڑے حصے پر بھی ان کا کوئی کنٹرول نہ رہے گا۔ سنٹرل اسمبلی میں سال ۱۹۳۸-۳۷ء کا جو بجٹ پیش ہوا ہے۔ اس کی رُو سے فوج کے اخراجات ۶۱ ر ۴۴ کروڑ روپے ہیں گویا مرکزی حکومت کے کل اخراجات کا ۵۰ فیصدی فوجی اخراجات ہوں گے۔ دوسرے الفاظ میں فیڈرل اخراجات کا ۸۰ فیصدی گورنر جنرل کے کنٹرول میں ہوگا۔

اس کے علاوہ ریزرو بنک اور سنٹرل ریلوے اتھارٹی وغیرہ بنا دی گئی ہے۔ اور اس قسم کی اور باڈیز بھی بنائی جا رہی ہیں۔ جن پر فیڈرل لیجسلیچر کو جو

جو اختیارات ہیں۔ اُن سے بھی اُسے محروم کر دیا جائے گا۔ کرنسی اور شرح کے متعلق
پالیسی پر فیڈرل لیجسلیچر کو کوئی اختیار نہ ہوگا۔ اِن دو چیزوں پر پبلک کی اقتصادی
ترقی کا زیادہ تر انحصار ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ فیڈرل گورنمنٹ کے ماتحت امور خارجہ
ایک زیریں صیغہ ہوں گے اور اُن پر گورنر جنرل کا کنٹرول ہوگا۔ اس بات کا مظہر ہے
کہ انڈین لیجسلیچر کو کسی دوسرے ملک کے ساتھ تجارتی معاہدہ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔
اور نہ ہی اس کو مالی معاملات میں کسی قسم کی خود مختاری دی گئی ہے۔ فیڈرل
گورنمنٹ کے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا کہ وہ کسی قسم کے تجارتی معاہدوں کو
لیجسلیچر کے سامنے تصدیق یا منظوری کے لئے رکھے۔ جیسا کہ آج کل
ٹریڈ گورنمنٹ کو انڈین لیجسلیچر کے سامنے پیش کرنے سے انکار کیا
جاتا ہے۔ اسلئے نام نہاد فسکل آٹونامی (مالی خود مختاری) بے معنی چیز ہے۔
جب تک یہ قرار نہ دیا جائے کہ کسی تجارتی معاہدہ پر اس وقت تک طرفین کی
طرف سے دستخط نہ کئے جائینگے۔ جب تک اس کی انڈین لیجسلیچر منظوری نہ دے
دے۔ اس سلسلہ میں یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میری اپنی رائے ہے
ہندوستان کو .... غیر ممالک متحدہ وغیرہ جیسے ممالک
سے تجارتی معاہدے کرنے چاہئیں۔ زمانہ ماضی میں بھی اُن ممالک کے ساتھ
ہندوستان کے تجارتی تعلقات رہے ہیں۔ مگر نئے آئین کے ماتحت فیڈرل
لیجسلیچر فیڈرل گورنمنٹ کو مجبور نہ کر سکیگی۔ کہ وہ ان ممالک کے ساتھ تجارتی
معاہدہ کریں۔

گورنمنٹ انڈیا ایکٹ میں جو غیر مساویانہ اور غیر منصفانہ تجارتی تحفظات رکھے گئے ہیں۔ اُن کے پیشِ نظر ہندوستان میں کوئی صنعتوں کی حفاظت کرنے اور اُن کے ترقی دینے کے لئے کوئی مؤثر کارروائی نہ کی جاسکے گی۔ کیونکہ عام طور پر جن تجارتی و صنعتی معاملات میں ہندوستانیوں کا فائدہ ہوتا ہے۔ انہی میں برطانوی مفاد پر ضرب لگتی ہے۔ اس کے علاوہ برطانوی مفاد سے امتیازی سلوک کے متعلق گورنر جنرل کو خاص ذمہ داری تفویض کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ انڈیا ایکٹ کی رُو سے گورنر جنرل کا یہ بھی فرض ہوگا۔ کہ وہ ایسی کارروائی نہ ہونے دے۔ جس سے کسی برطانوی مال پر جو ہندوستان میں برآمد ہو۔ کوئی زد پہنچے۔ ایکٹ کی اِن دفعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ برطانوی مال کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے گورنر جنرل رد نہ کر سکتا ہو۔ اگر ہندوستان کو اپنی اقتصادی پالیسی خود مرتب کر لینے کی اجازت نہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اسے کوئی اختیار نہیں دیا گیا

۱۹۳۱ء میں گاندھی اِروِن پیکٹ کے طے پانے کے فوراً بعد مہاتما گاندھی نے ینگ انڈیا میں ایک مضمون لکھا تھا۔ جس میں انہوں نے اس بات کو واضح کر دیا تھا کہ ہندوستانی اور یورپین مفاد میں کسی قسم کے امتیاز کی بات نہ کرنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہندوستان کو ہمیشہ غلام رکھا جائے۔ آج کل بھی ہندوستان کے لیجسلیچر کے اختیارات محدود ہیں۔ اور ان محدود اختیارات میں بھی اسے

اسے یہ اختیار ہے کہ ہندوستان کے ساحل پر صرف ہندوستانی جہازوں کو تجارت کے لئے چلنے کی اجازت دینے کے متعلق قانون پاس کرے۔ مگر اس نام نہاد اصلاح شدہ کانسٹی ٹیوشن کے ماتحت اس قسم کے اختیارات چھین لیے گئے ہیں۔

(سیلنگ) (جہازرانی)

ایک ایسی صنعت ہے۔ جو فوجی و اقتصادی دونو مقاصد کے لیئے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ مگر نئے آئین میں اس اہم صنعت کو ترقی دینے کے تمام راستے مسدود کر دئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان طریقوں کو اختیار کرنے کی بھی اجازت نہیں جو بعض نوآبادیات نے اس انڈسٹری کو ترقی دینے کے لیئے اختیار کئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم کو یہ حق ہونا چاہیئے۔ کہ جب کبھی ہندوستانی مفاد کا تقاضا ہو ہم قومی اور غیر قومی میں تمیز کر سکیں اور اس حق کو ہم کسی بھی قیمت پر قربان نہیں کر سکتے۔ اس سلسلے میں میں آئرلینڈ کی مثال پیش کروں گا۔ آئرش نیشنلٹی و سٹی زن شپ ایکٹ مجریہ ۱۹۳۵ء طریق انتخاب بلاک لائف میں داخلہ۔ مرچنٹ شپنگ لاء۔ پھر وزرا اور آئرش لوگوں کے لئے خاص حقوق کے سلسلے میں آئرلینڈ کے باشندوں کی تخصیص کر دی گئی ہے۔ اس قانون کی رُو سے آئرش انڈسٹری کی امداد کرنے کے لئے بھی دفعات رکھ دی گئی ہیں۔ آئرلینڈ میں اس قانون کے نفاذ کے بعد آئرلینڈ میں آئرش۔ اور برطانوی باشندوں کے درمیان ایک حد تمیز کھینچ دی گئی ہے۔ آئرلینڈ میں اب کوئی برطانوی باشندہ آئرش لوگوں کے ساتھ مساوی حقوق کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستان میں بھی ضرورت اس امر

کی ہے کہ ہندوستان اس طرح اپنی قومیت بنائیں۔ اور اپنے ایک شہری حقوق بنائیں۔

مالی اور تجارتی معاملات

جہاں تک مالی خود مختاری اور تجارتی تحفظات کا تعلق ہے میں مختصر طور پر اس بات کی ضرورت کی طرف آپ کی توجہ کرانا چاہتا ہوں۔ کہ ہندوستان میں غیر ملکی تجارت کے سلسلے میں ایک سرگرم پالیسی ہونی چاہیئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ سیاسی صورت حالات میں انگلستان اور برطانیہ میں جو بھی تجارتی معاہدہ ہوگا۔ اس میں فائدہ برطانیہ کا ہی ہوگا۔ مگر ہمیں امید ہے کہ آئندہ ہندوستان اور کسی اور ملک کے ساتھ تجارتی معاہدوں میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہیں کی جائے گی۔ اور گورنمنٹ ہند کسی ایسے معاہدہ پر دستخط نہیں کرے گی۔ جس کی انڈین لیجسلیچر تصدیق نہ کرے۔

مجوزہ فیڈرل وزارت

مندرجہ بالا بیان سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ صوبجاتی وزرا کے اختیارات مجوزہ فیڈرل وزارت کے اختیارات میں کسی قسم کی مشابہت نہیں۔ اس کے علاوہ فیڈرل لیجسلیچر کی ساخت نہایت رجعت پسندانہ ہے۔ ریاستوں کی آبادی کل ہندوستان کی آبادی کا کل ۲۰ فیصدی ہے۔ مگر والیان ریاست کو لوئر ہاؤس میں ۳۳ فیصدی اور اپر ہاؤس میں ۴۰ فی صدی کی نیابت دی گئی ہے۔ میری رائے میں ان حالات میں اس امر کا امکان نہیں کہ کانگرس فیڈریشن کی طرف کسی وقت اپنے رویہ میں تبدیلی کرے۔ ہمارے فوری سیاسی نصب العین کا دارومدار جو برطانیہ گورنمنٹ کی طرف سے ہم پر ٹھونسی جا رہی ہے۔ مزاحمت کرنے میں کامیابی پر ہے۔ ہمیں تمام جائز اور پرامن

طریقوں سے روکتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ ہمیں اجتماعی سول نافرمانی کا بھی آخری ہتھیار استعمال کرنا پڑے۔ اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ اگر یہ مہم شروع کرنی پڑے تو یہ تحریک صرف برطانوی ہند تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ ریاستی پرجا میں بھی پھیل جائے گی۔

اجتماعی تنظیم

مستقبل قریب میں جو جدوجہد شروع کرنے میں یہ ضروری ہے کہ ہم گھر کا نظام درست کریں۔ پچھلے چند سال میں ہمارے عوام میں اتنی زبردست بیداری پیدا ہوئی ہے کہ ہماری جماعتی تنظیم کے متعلق نئے مائی پیدا ہو گئے ہیں۔ آج کل ہمارے جلسوں ۵۰ ہزار اشخاص سے زیادہ اشخاص کا جمع ہونا ایک معمولی بات ہے۔ بعض اوقات ان جلسوں اور مظاہروں کا کنٹرول کرنا ہی ہمارے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔ مگر ان عارضی مظاہروں کے علاوہ ہمارے سامنے ایک بھاری مسئلہ یہ ہے۔ کہ اس غیر معمولی اجتماعی طاقت اور جوش و خروش کا مناسب استعمال کیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ اس کام کے لئے ہمارے پاس ٹرینڈ والنٹیروں کی کور ہے۔ کیا ہمارے پاس قومی سروس کے لئے کافی اعلیٰ کارکن ہیں۔ کیا ہم نے اپنے ہونہار نوجوانوں کی ٹریننگ کا کوئی انتظام کر رکھا ہے تاکہ وہ آئندہ لیڈر بن سکیں۔ اس کا جواب صاف ہے۔ ہم نے ایک جدید زمانہ کی سیاسی پارٹی کی اُن تمام ضروریات کو پورا کرنے کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ مگر اب مناسب وقت ہے کہ ہم ایسا کریں۔ والنٹیروں کی ایک کور کی جس نے ترمنڈ افسروں کے ماتحت باقاعدہ ٹریننگ اور ڈسپلن حاصل کیا ہوا ہو سخت ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں اپنے سیاسی کارکنوں کی تعلیم اور ٹریننگ کا

کا بھی انتظام کرنا ہوگا۔ تاکہ آئندہ ہمارے اچھے لیڈر تیار ہو سکیں۔ برطانیہ میں کئی سکولوں اور دیگر انسٹی ٹیوشنوں میں سیاسی پارٹیوں کے لئے اس قسم کی ٹریننگ کا خاص انتظام ہے۔ ان ممالک کی جہاں ڈکٹیٹروں کی حکومت ہے یہ بھاری خصوصیات ہیں۔ ہمارے کارکنوں نے ہماری جدوجہد میں شاندار حصہ لیا ہے۔ میں ان کا احترام کرتا ہوں۔ مگر اس کے باوجود میں یہ کہوں گا کہ ابھی ہماری پارٹی میں زیادہ قابلیت اور ڈسپلن کی ضرورت ہے۔ یہ نقص کچھ تو کانگریس کے لئے ہونہار نوجوان بھرتی کرنے سے دور ہو سکتا ہے۔ اور کچھ ان کی ٹریننگ اور تعلیم کے جو ہمارے پاس موجود ہیں آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یورپ کے مختلف ممالک ان مسائل کو کس طرح حل کر رہے ہیں۔ اگرچہ ہماری ٹریننگ کے طریقے اور آرگنس مختلف ہونگے۔ مگر یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ہمارے کارکنوں کو مکمل سائنٹفک ٹریننگ کی ضرورت ہے۔

غیر ملکی پروپگنڈا

اسلئے ہمیں ہر ایک ملک کے ایسے مردوں اور عورتوں کی جماعتیں قائم کرنی چاہئیں جنہیں ہندوستان سے ہمدردی ہو۔ اس قسم کی انجمنیں قائم کرنے غیر ملکی اخبارات۔ ہندوستان میں تیار کی ہوئی فلمیں۔ صنعت و حرفت کی نمائشیں ہمارے لئے نہایت مفید ثابت ہوں گی۔ مثال کے طور پر چینیوں نے آرٹ کے ذریعے یورپ میں اپنے آپ کو بہت ہر دلعزیز بنا لیا ہے۔ سب سے بڑھ کر ذاتی تعلقات نہایت ضروری ہیں۔ اس قسم کے تعلقات کے بغیر غیر ممالک میں ہندوستان کے متعلق واقفیت بہم پہنچانی مشکل ہے۔ غیر ممالک میں جو ہندوستانی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ وہ ہماری بہت امداد کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ہم ان کی ضروریات کو

پورا کردیں۔ اِن ہندوستانی طلبا اور انڈین نیشنل کانگرس کے درمیان گہرا تعلق ہونا چاہیئے۔ اگر ہندوستان میں تیار شدہ تمدنی اور تعلیمی فلمیں باہر بھیجیں۔ تو مجھے یقین ہے کہ غیر ممالک کے لوگ ہندوستان اور اس کے تمدن کے متعلق واقفیت حاصل کر سکیں گے۔ اور اُسے پسند کریں گے۔

دوسرے ممالک میں رہنے والے ہندوستانی طلبا کے لئے یہ فلمیں نہایت مفید ثابت ہوں گی۔ میں لفظ پروپیگنڈا کو پسند نہیں کرتا۔ اس میں مجھے کچھ بناوٹ نظر آتی ہے۔ میں اس بات پر زور دوں گا۔ کہ ہمیں ڈوبتے کو بچانا چاہیئے۔ کہ ہندوستان کیا ہے۔ اور اس کا تمدن کیا ہے۔ میں جانتا ہوں۔ کہ یورپ اور امریکہ کا ہر ایک ملک ہماری ان کوششوں کا خیر مقدم کرے گا۔ اگر ہم اس کام کو جاری رکھیں۔ تو ہم آئندہ سفارتوں لیگیشنوں کے لئے میدان بنا لینے کے لئے کامیاب ہو جائیں گے اس سلسلہ میں ہمیں برطانیہ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ اس ملک میں تھوڑے سے اگر بہت بارسوخ مرد عورتیں ہیں۔ جنہیں ہندوستان سے حقیقی ہمدردی ہے نوجوانوں اور خاص کر طلبا کو ہندوستانی معاملات میں دلچسپی اور ہندوستان سے ہمدردی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اگر ہم برطانوی یونیورسٹیوں میں جائیں تو ہمیں اس کا پتہ لگ جائے۔

باعتبار کارکن

اس کام کو مؤثر طور پر جاری رکھنے کے لئے انڈین نیشنل کانگرس کو چاہیئے کہ یورپ۔ ایشیا۔ افریقہ اور وسطی اور جنوبی امریکہ میں معتبر کارکن مقرر کرنے چاہئیں۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ ہم نے اب تک وسطی اور جنوبی امریکہ کو نظر انداز کر رکھا

ہے۔ حالانکہ انہیں ہندوستان میں گہری دلچسپی ہے۔ ہندوستان کی تمدنی جماعتوں کو اس سلسلہ میں کانگرس کی مدد کرنی چاہیئے۔ اس کے علاوہ ہندوستانیوں کو چاہیئے۔ کہ ہر ایک بین الاقوامی کانگرس یا کانفرنس شریک ہوں۔ اس قسم کی کانفرنسوں میں شرکت ہندوستان کے حق میں پروپگینڈا کا ایک نہایت مفید ذریعہ ہے۔

جب میں بین الاقوامی تعلقات کا ذکر کرتا ہوں تو میں یہ شک دور کر دینا چاہتا ہوں جو بعض اشخاص کے دلوں میں شاید پیدا ہو گیا ہے۔ کہ ہم اس لئے بین الاقوامی تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں کہ برطانوی حکومت کے خلاف سازش کی جائے ہمیں اس قسم کی سازشوں کی ضرورت نہیں۔ ہمارے تمام طریقے صاف ہیں۔ آج تمام دنیا میں ہندوستان کے خلاف پروپگنڈا کیا جا رہا ہے کہ یہ ایک غیر مہذب ملک ہے اور پھر اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ ہمیں مہذب بنانے کے لئے انگریزوں کی ضرورت ہے۔ اس کے جواب میں ہمیں دنیا کو بتانا ہے کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا تمدن کیا ہے۔ اگر ہم ایسا کر سکیں تو ہم اپنی حمایت میں بھاری بین الاقوامی ہمدردی قائم کر سکیں گے۔ اور دنیا یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گی کہ ہندوستان کا . . . نہایت زبردست ہے۔

ہماری مشکلات

اس سلسلہ میں میں ان مسائل و مشکلات کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ جن میں سے ایشیا اور افریقہ اور خاص کر زنجبار۔ کینیا۔ جنوبی افریقہ۔ ملایا اور سیلون میں ہمارے ہموطنوں کو گذرنا پڑتا ہے۔ کانگرس ان معاملات میں ہمیشہ سے نہایت گہری دلچسپی لے رہی ہے۔ اگر ہم ان کے لئے کچھ

زیادہ نہیں کرسکتے تو اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ ہم خود بھی ابھی تک غلام ہیں آزاد ہندوستان کی دنیا کے پالیٹکس میں خاص اہمیت ہوگی۔ اس سلسلہ میں میں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں اپنے ہمسائیوں یعنی ایران۔ افغانستان نیپال چین۔ برما۔ سیام۔ ملایا۔ جزائر شرق الہند اور سیلون سے زیادہ گہرے تمدنی تعلقات قائم کرنے چاہئیں۔ اگر وہ ہمارے متعلق زیادہ واقفیت حاصل کریں اور ہم ان کے متعلق تو یہ دونوں کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا۔ برما اور سیلون کے ساتھ ہمارے مدت سے تعلقات ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ نہایت گہرے تمدنی تعلقات قائم ہونے چاہئیں۔

سیاسی قیدی اور نظربند

میں ایک اور معاملہ کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس وقت یہ بھاری اہمیت اختیار کر رہا ہے اور وہ ہے نظربندوں اور سیاسی قیدیوں کا سوال۔ حال ہی میں بھوک ہڑتال نے پبلک کی توجہ کو اس سوال پر مرکوز کر دیا ہے اور اسے بھاری اہمیت دلادی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں جب بھی یہ کہتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے انہیں جلدی رہا کرانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئیے۔ جہاں تک کانگرس وزارتوں کا تعلق ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ بعض کا . . . پبلک کیمطابق نہیں۔ جتنی جلدی وہ پبلک مطالبہ کو پورا کریں گے۔ اتنا ہی کانگرس اور ان لوگوں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ جو غیر کانگرسی وزرا کے ماتحت صوبجات میں مصائب برداشت کر رہے ہیں۔ مجھے پوری امید ہے کہ مستقبل قریب میں اس معاملہ کے متعلق ان کانگرسی وزارتوں کے خلاف کوئی شکایت نہ ہوگی۔ ان نظربندوں اور

اور سیاسی لیڈروں کی حالت بھی خراب نہیں۔ جو کہ جیلوں میں ہیں۔ بلکہ جو چھوڑ گئے ہیں ان کی بھی یہی حالت ہے۔ اُن میں سے کئی ایک صحت تباہ ہو چکی ہے۔ کئی ایک تپ دق وغیرہ موذی امراض میں مبتلا ہیں۔ کئی فاقہ کشی کا شکار ہو رہے ہیں ان کے خویش و اقارب کی حالت قابل رحم ہے۔ کیا ہمارا ان کی طرف جنہوں نے ملک کی خدمت سر انجام دی ہے کوئی فرض نہیں۔ انہیں اس خدمت کے عوض سوائے غریبی اور رنج و غم کے کچھ نصیب نہیں ہوا۔ ہمیں ان لوگوں سے جنہیں وطن کی محبت کے جرم سزا دی گئی ہے گہری ہمدردی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ان کی مصیبت اور غریبی میں ان کی حتے الامکان امداد کریں۔

اختلافات

میں صرف ایک لفظ اور کہنا چاہتا ہوں۔ کانگرس کے اندر انتہا پسند اور اعتدال پسند طبقہ کے اختلافات ہیں۔ باہر ہمیں برطانوی امپیریلزم چیلنج دے رہا ہے۔ ایسے نازک صورتِ حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ ہمیں ان روکاوٹوں کو جو ہمارے راستہ میں حائل ہیں دور کرنے کے لئے جوکنا رہنا چاہیئے۔ اور جو ایسی خلاف چلی جائیں۔ ان کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔ کانگرس قوت اجتماعی کی جدو جہد کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اس میں اعتدال پسند اور انتہا پسند طبقے ہوں۔ مگر یہ اُن تمام آرگنائزیشنوں کا جو امپیریلزم کے خلاف ہندوستان کی آزادی کے لئے جدو جہد جاری کر رہی ہیں۔ مشترکہ پلیٹ فارم ہے اس لئے ہمیں تمام ممالک کو کانگرس کے جھنڈے تلے لانا چاہیئے۔ اس لئے میں انتہا پسند طبقوں سے درخواست کروں گا کہ وہ کانگرس کی اینٹی امپیریلسٹ بنیاد پر

از سرِ نو تنظیم کرنے کے لئے اپنی تمام طاقتوں اور ذرائع کو اکٹھا کر دیں۔

اس قسم کی اپیل کرنے میں برطانوی کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں کا۔ وجہ بڑی حوصلہ افزائی کا موجب ہے۔ ہندوستان کے متعلق ان کی پالیسی انڈین نیشنل کانگریس کی پالیسی کے مطابق معلوم ہوتی ہے۔

مہاتما گاندھی کا خراجِ عقیدت

آخر میں میں امید کرتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ پرارتھنا کریں گے۔ کہ مہاتما گاندھی عرصہ دراز تک قوم کی سیوا کرتے رہے ہیں۔ ہندوستان ان کے بغیر گذارہ نہیں کر سکتا۔ اور یقیناً اس نازک موقعہ پر ان کے بغیر گزارہ ناممکن ہے۔ ہندوستان کے لوگوں کو متحد کرنے کے لئے ان کی ضرورت ہے اپنی جدوجہد کو تلخی اور منافرت سے بالاتر رکھنے کے لئے ہندوستان کو ان کی ضرورت ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے کاز کے لئے ان کی ضرورت ہے۔ ہماری جدوجہد نہ صرف برطانوی امپیریلزم کے خلاف ہے۔ بلکہ دنیا بھر کی امپیریلزم کے خلاف۔

برطانوی امپیریلزم موخر الذکر کی بنیاد ہے۔ اس لئے ہم صرف ہندوستان کے کاز کے لئے نہیں لڑ رہے۔ بلکہ بنی نوع انسان کی آزادی کے کاز کے لئے ہندوستان کی آزادی میں بنی نوع انسان کی سلامتی ہے۔

باغی صدر

یعنی

سوانح حیات

بابو سبھاش چندر بوس

مصنفہ

دُرلب سنگھ

مقدمہ

از قلم

سردار سردول سنگھ صاحب کویشر

صدر آل انڈیا فارورڈ بلاک

ورما پبلشنگ کمپنی ۱/۲ میکلوڈ روڈ

پوسٹ بکس نمبر 249 لاہور